سہ ماہی مجلہ بحث ونظر حیدرآباد

شمارہ نمبر : ۱۲۳-۱۲۴ / ۲۳-۲۴	جنوری — جون ۲۰۲۱ء	جمادی الاول — شوال المکرم ۱۴۴۲ھ

مدیر

خالد سیف اللہ رحمانی

زرِ تعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ:50روپے

سالانہ:180، بذریعہ رجسٹری:220

سہ سالہ:500، بذریعہ رجسٹری:600

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ:20امریکی ڈالر

یورپ، امریکہ، افریقہ کے لئے :

سالانہ:30امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd. T.S 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک/ ڈرافٹ پر صرف:"Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: مولانا محمد نصیر عالم سبیلی "العالم" اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر:9959897621

فہرست مضامین

● ● ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

جدید تعلیمی پالیسی کی تفصیلات اخبارات اور سوشل میڈیا میں آچکی ہیں ، اس پالیسی میں بہت سی منفی چیزیں ہیں ؛مگر ان کوخوبصورت الفاظ کے پیرہن میں چھپا کر رکھا گیا ہے،اس پالیسی میں بار بار راشٹر واد، بھارتیت اور نیشنل کلچر کی بات کہی گئی ہے ، نام تو قومی تہذیب کا لیا جا رہا ہے ؛لیکن وحدت میں کثرت کے بجائے ہندو آئیڈیالوجی اور تہذیب لوگوں پر مسلط کرنے کی تدبیر کی جارہی ہے، راشٹر واد کے تحت بچوں کو گیتا میں سے اسباق پڑھائے جائیں گے، ہندو دیویوں دیوتاؤں کی دیو مالائی کہانیاں پڑھائی جائیں گی ،حفظان صحت کے نام پر یوگا کرایا جائے گا، اور اس میں سوریہ نمسکار بھی شامل ہوگا، وندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ پڑھایا جائے گا، عجب نہیں کہ جبر کے ذریعہ نہ سہی ، ترغیب کے ذریعہ اُن سے سرسوتی وندنا بھی کرائی جائے ، اور اسکول میں ہندو تہواروں کی تقریبات منعقد ہوں، جن میں تمام طلبہ وطالبات کو شرکت کرنے کو کہا جائے۔

مسلمانوں کو اس پالیسی کے نفاذ کے بعد کیا طریقۂ کار اختیار کرنا چاہئے ؟ اس پر غور کرنا بہت ضروری ہے، اس سلسلہ میں تین باتیں اہم ہیں: اول: دینی تعلیم، دوسرے: فکری واخلاقی تربیت، تیسرے: اپنی زبان کا تحفظ۔

دینی تعلیم سے مراد عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم بچوں اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا نظم ہے، بہتر ہے کہ یہ مکاتب کے ذریعہ ہوں، یعنی فجر بعد یا عصر بعد روزانہ ایک گھنٹہ بچوں کو دینی تعلیم دی جائے، ضرورت اس بات کی ہے کہ دس سال کا ایک ایسا نصاب ہو، جس میں طلبہ مکمل ناظرۂ قرآن مع تجوید، ایک پارہ حفظ، روزمرہ کی دُعائیں، ضروری دینی مسائل، رسول اللہ ﷺ کی سیرت، خلافت راشدہ کی تاریخ اور اُردو لکھائی پڑھائی سیکھ لیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ بچوں کو زدوکوب نہ کیا جائے ، اور مار کی بجائے پیار سے پڑھایا جائے ، اس تأثر کو بدلنے کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس میں مار پیٹ کو طریقۂ تعلیم کا لازمی جز سمجھا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ طلبہ کی اخلاقی اور فکری تربیت کی جائے ، اخلاقی تربیت میں گھر اور خاندان والے بالخصوص مائیں نہایت مؤثر رول ادا کرسکتی ہیں ، جس سے بچہ کا مزاج اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلے ، آج صورتِ حال یہ ہے کہ شرک کو خوشنما بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور مسلمانوں پر مختلف گوشوں سے اعتراضات کئے جارہے ہیں ، بالخصوص تاریخ کے راستے سے مسلمانوں میں احساس کمتری اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ، ممکن ہو تو دس سالہ مکتب کے نصاب میں آخری دو سال طلبہ کی فکری تربیت پر زور دیا جائے ؛ تاکہ طلبہ نہ صرف اپنے دین سے کما حقہ واقف ہوں ؛ بلکہ اس کا دفاع کرنے پر بھی قادر ہوں ۔

اُردو زبان کی عمر دیگر زبانوں کے مقابل بہت کم ہے ؛ لیکن اُردو میں اسلامیات کا ذخیرہ عربی زبان کے بعد سب سے زیادہ ہے ؛ لہٰذا اُردو زبان کی بقا کی کوشش بھی ہمارا نہ صرف تہذیبی بلکہ مذہبی فریضہ بھی ہے ، اور اس کے بقا کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں ممکن ہو ، وہاں اُردو میڈیم اسکول کے قیام کے لئے سرکار پر دباؤ ڈالا جائے ، خود بھی اُردو میڈیم اسکول قائم کئے جائیں اور اُردو اخبارات اور کتابیں پڑھنے کا مزاج بنایا جائے ، زندہ قوموں کے لئے زبان حیات وموت کا مسئلہ ہوتی ہے ، ہم کو بھی اسی نظریہ اور جذبہ سے اُردو زبان کے مسئلہ کو دیکھنے کی ضرورت ہے ۔

مارچ ۲۰۲۰ء میں لاک ڈاؤن نے مدارس کی معاشی حالت پر نہایت مضر اثرات مرتب کئے ہیں ، بہت سارے چھوٹے مدارس بند ہوگئے ، ایسا بھی بکثرت سننے اور دیکھنے میں آیا کہ علماء اور مدرسین کہیں دُکانوں پر کام کررہے ہیں تو کہیں مزدوری کرنے پر مجبور ، مدارسِ اسلامیہ ہندوستان میں دین کے بقا اور فروغ کا سرچشمہ ہیں ، ایسے میں اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ اہل خیر حضرات مدارس کی طرف نہایت اہتمام سے توجہ کریں اور بھلے ان کے پاس مدارس کے سفیر نہ آئیں ، وہ اپنی ذمہ داری سمجھ کر مدارس کی امداد کریں ؛ تاکہ مدارس سے دین کی خدمت کا سلسلہ جاری رہے اور یہ سرچشمہ خشک نہ ہو ۔

۹ / شعبان ۱۴۴۲ھ — **خالد سیف اللہ رحمانی**

۲۳ / مارچ ۲۰۲۱ء — (بیت الحمد ، شاہین نگر ، حیدرآباد)

• • •

فتاویٰ عالمگیری، تدوین وتعارف

خالد سیف اللہ رحمانی

نوٹ:- فتاویٰ عالمگیری فقہ کی بہت معتبر اور جامع کتاب ہے، جس میں مفتی بہ مسائل کو نقل کرنے کا اہتمام ہے اور جزوی مسائل کا بہت تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے، یہ کتاب علماء اور مفتیان کرام کا ہمیشہ سے مرجع رہی ہے، اور بہت بار اس کی طباعت بھی ہوئی ہے؛ لیکن تقریباً تمام طباعتیں ماضی کی ہی یادگار ہیں کہ تمام مسائل کو ایک طرف سے بغیر پیراگراف کا لحاظ کئے بڑی تقطیع کے صفحہ پر چھاپا گیا ہے، اس کی بڑی ضرورت تھی کہ جدید انداز میں اس کی طباعت کی جائے، ہر مسئلہ کو الگ پیراگراف میں لکھا جائے، مسائل پر نمبر ڈالے جائیں اور مسائل کی تحقیق وتخریج کی جائے، اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے استاذ گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بانی المعہد العالی الاسلامی نے معہد میں طلبہ کی معتد بہ تعداد کو فتاویٰ عالمگیری کی تحقیق وتخریج کی ذمہ داری سونپی، کام تقریباً مکمل ہونے کے بعد یہ احساس ہوا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسی بھی بہت ساری کتابیں ہیں جو مطبوعہ نہیں ہیں؛ بلکہ مخطوطہ ہیں، اگر ان کا بھی حوالہ باب اور فصل کے ساتھ آجاتا تو بہتر ہوتا، اسی مقصد کے پیش نظر مخطوطات کی پی ڈی ایف فائلیں جمع کی گئیں اور پھر نئے سرے سے تحقیق وتخریج کا کام شروع ہوا، خدا کا شکر ہے کہ فتاویٰ ہندیہ کی دو جلدیں اشاعت کے لئے تیار ہیں، جس میں مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کے حوالے درج ہیں، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے فتاویٰ ہندیہ پر مقدمہ لکھا ہے، جس میں آپ نے ہندوستان میں فقہ وفتاویٰ کے باب میں ہونے والے کام کی تفصیل بھی بیان کی ہے، اور فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وتدوین کی تحقیق بھی کی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ دیگر کتبِ فتاویٰ وفقہ کے بالمقابل فتاویٰ عالمگیری کی خصوصیات اور امتیازات پر بھی حضرت مولانا نے اپنے اچھوتے اور منفرد انداز واُسلوب میں روشنی ڈالی ہے، اس مقدمہ کو جو مختصر مگر جامع اور نافع ہونے کے ساتھ ساتھ قل ودل کی بھی بہترین مثال کہا جا سکتا ہے، قارئین کے استفادہ کے لئے ''بحث ونظر'' میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (عبید اختر رحمانی)

ہندوستان وہ خوش قسمت ملک ہے، جہاں بعض تاریخی روایتوں کے مطابق عہد نبوی ہی میں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی؛ لیکن یہ بات تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہندوستان کا ایک وفد مدینہ منورہ

حاضر ہوا، اس نے ہندوستان کے مسالہ کا تحفہ پیش کیا، ابتدائی دور میں ہی یہاں مسلمانوں کی آمد ہوئی، مسلمانوں کی آمد اس ملک میں دو راستوں سے ہوئی، ایک: جنوبی ہند کے مالا بار کے علاقہ سے، دوسرے: ہندوستان کے مغربی علاقے میں سندھ کی طرف سے، جنوبی ہند سے داعیان اسلام کا قافلہ پہنچا، اور مغربی ہند سے مجاہدین اور فاتحین پہنچے، اور انھوں نے اس ملک میں مضبوط حکومتیں قائم کیں، جن میں ہندوستان کے مغربی علاقہ پر تو اب بھی پاکستان کی شکل میں ایک مسلم ملک موجود ہے۔

جب مسلمان آئے تو بہت سے اہل علم بھی عرب، خراسان اور ماوراء النہر کے علاقے سے اس ملک میں رونق افروز ہوئے، انھوں نے علوم اسلامی کی تدریس کی مسندیں بچھائیں اور یہاں ان کا فیض جاری ہوا، خود اس خطہ سے بھی بہت سی علمی شخصیتیں پیدا ہوئیں، انھوں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تمام ہی اسلامی علوم میں عظیم الشان کارنامے انجام دیئے، ہندوستان کی ان خدمات کا پوری فراخدلی کے ساتھ عرب علماء نے بھی اعتراف کیا ہے؛ لیکن فقہ چوں کہ عملی زندگی سے مربوط ہے؛ اس لئے اس پر خصوصی توجہ دی گئی، احکام شریعت کے مجموعہ کی چوں کہ خود حکومت کو بھی ضرورت تھی؛ تا کہ عدالتوں کو سہولت ہو؛ اس لئے انھوں نے خاص طور پر اس علم کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا؛ اسی لئے ہندوستان میں فتاویٰ کے کئی اہم مجموعے حکومت کے زیر نگرانی یا حکومت کی خواہش پر مرتب کئے گئے۔

ہندوستان میں مرتب کئے جانے والے فقہی مجموعے

۱- اس سلسلہ میں ہمیں جو پہلا مجموعہ ملتا ہے، وہ ہے: فتاویٰ غیاثیہ، یہ مجموعہ غیاث الدین بلبن کے دور میں مرتب ہوا، یہ ہندوستان کا ایک نیک دل اور انصاف پسند بادشاہ گزرا ہے، مؤرخین نے اس کے دورِ حکومت کو ''خیر الاعصار'' قرار دیا ہے، ہندوستان میں ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۶ء سے لے کر ۶۸۶ھ، مطابق ۱۲۸۷ء ۲۲/سال تک اس کی حکومت رہی، یہ علماء کا اس قدر دلدادہ تھا کہ بغیر علماء کی شرکت کے کھانا نہیں کھاتا تھا اور کھانے کے دوران بھی علماء سے مسائل شرعیہ پر مذاکرہ کرتا رہتا تھا، اس کے عہد میں شیخ داؤد بن یوسف خطیبؒ نے فقہ حنفی کے احکام کا مختلف کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مجموعہ مرتب کیا اور اسے غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''فتاویٰ غیاثیہ'' سے موسوم کیا، اس کتاب میں رمزی حروف کے ذریعہ فقہی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں، یہ مجموعہ طویل عرصہ تک مخطوطہ کی شکل میں تھا، پھر ۱۳۲۱ھ میں اس کی طباعت عمل میں آئی، جو ۹۴/صفحات پر مشتمل ہے؛ لیکن ابھی بھی یہ عمومی طور پر دستیاب نہیں ہے اور اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

۲- ہندوستان میں ایک دور خلجی حکمرانوں کا گزرا ہے، خلجی حکمرانوں میں ایک نیک دل بادشاہ جلال الدین فیروز خلجی (۶۸۸ تا ۶۹۵ھ) تھا، جلال الدین فیروز خلجی کے دور میں مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانیؒ نے فتاویٰ کا

ایک مجموعہ جمع کیا، اس کی تکمیل اور ترتیب سے قبل ان کا انتقال ہوگیا، مسودہ ان کے وارثوں کے پاس تھا ، فیروز شاہ کے داماد اور اور بھتیجے سلطان علاء الدین (۶۹۵-۷۱۶ھ) کے عہد میں قبول قراخان نے اسے ''فتاویٰ قراخانی'' کے نام سے مرتب کیا، یہ کتاب سوال وجواب کی صورت میں ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے؛ لیکن فقہاء کی عبارتیں بعینہٖ عربی میں نقل کی گئی ہیں، افسوس کہ اب تک یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں ہے، ابھی تک یہ طبع نہیں ہوئی ہے۔

۳- اس سلسلہ کی تیسری کتاب ''فوائد فیروز شاہی'' ہے، یہ شیخ محمد شرف عطائی کی تصنیف ہے، یہ فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں مرتب کی گئی، اس کتاب کا مخطوطہ ۴۳۷/اوراق پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ فقہی جزئیات کا ایک عظیم مجموعہ ہے، ابھی تک یہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے اور اس کی زبان فارسی ہے۔

۴- فقہ حنفی کے فتاویٰ کا ایک نہایت ہی عظیم الشان مجموعہ ''فتاوی تاتارخانیہ'' ہے، ویسے حاجی خلیفہ نے اس کا اصل نام ''زادالمسافر فی الفروع'' لکھا ہے، مصنف کا نام عالم ابن العلاء اندرپتی الحنفیؒ (متوفی:786ھ) ہے، بظاہر اس کتاب کا اصل نام ''زادالمسافر'' ہی ہے؛ لیکن چوں کہ یہ خان اعظم خان کی ایما پر لکھا گیا تھا؛ اس لئے اس زمانے کے طریقہ کے مطابق ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' سے کتاب مشہور ہوئی، اس کتاب کا سنہ تالیف 777ھ بتایا جاتا ہے، امیر تاتارخان فیروز شاہ تغلق کے مقربین میں تھا اور اسے حکومت میں بڑا رسوخ حاصل تھا، فتاویٰ تاتارخانیہ ایک زمانے تک مخطوطہ کی صورت میں تھا، سب سے پہلے قاضی سجاد حسین دہلویؒ نے اس پر کام کیا، جو صرف نسخہ کی تصحیح تک محدود ہے، ان کی تحقیق سے اس اہم کتاب کی چار جلدیں شائع ہوئیں، پھر میرے بہت ہی قابل احترام دوست مفتی شبیر احمد قاسمی (شیخ الحدیث: مدرسہ شاہی مرادآباد) نے اس پر تحقیق کا کام کیا، اگرچہ ان کی تخریج میں فقہی تحقیقات پر کم توجہ دی گئی ہے؛ لیکن مسائل کی ترقیم اور کتاب میں آنے والے مضامین کی تفصیلی فہرست نے اس کتاب کو بہت سہل الاستفادہ بنادیا ہے، بحمد اللہ کتب خانہ زکریا دیوبند سے فتاویٰ کا یہ عظیم الشان مجموعہ 20/جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

۵- ہندوستان میں مرتب ہونے والے فتاویٰ کے مجموعوں میں ایک اہم مجموعہ ''فتاویٰ حمادیہ'' ہے، جس کو معروف صاحب علم ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوریؒ نے اپنے بیٹے مولانا داؤدؒ کے ساتھ مل کر مرتب کیا ہے، فتاویٰ کا یہ مجموعہ قاضی القضاۃ حمادالدین گجراتیؒ بن قاضی محمد اکرم گجراتیؒ کی خواہش پر مرتب کیا گیا ہے اور ان ہی کی طرف اس کتاب کی نسبت ہے، مصنف نے 216/کتابوں سے مواد جمع کیا ہے، یہ کتاب 1241ھ میں ہندوستان میں طبع ہوئی تھی؛ لیکن اب اس کا مطبوعہ نسخہ دستیاب نہیں ہے؛ لیکن اس کے کئی مخطوطہ نسخے برصغیر اور مصر وغیرہ میں دستیاب ہیں۔

۶- فارسی زبان میں فتاویٰ کا ایک مجموعہ ''فتاویٰ ابراہیم شاہی'' ہے، اس کے مؤلف قاضی نظام الدین احمد بن محمد گجراتی ثم جون پوریؒ (متوفی: 875ھ) ہیں، جن کا لقب ''نظام'' تھا اس کا انتساب سلطان ابراہیم شاہ شرقی کی طرف ہے، صاحب کشف الظنون نے اسے فتاویٰ قاضی خان کی طرح بلند پایہ کتاب قرار دیا ہے، سلطان ابراہیم شرقی عادل، دیندار، صاحب علم اور اہل علم کا قدرداں حکمران تھا، اس کی اس قدردانی کی وجہ سے اس زمانے کے اکابر علماء اس کی سلطنت میں جمع ہوگئے تھے، 840 یا 844ھ میں اس کی وفات ہوئی تھی۔

۷- فتاویٰ ابراہیم شاہی کا ایک حصہ عربی زبان میں بھی ہے، جس کا مخطوطہ 435/اوراق پر مشتمل ہے، یہ حصہ معاملات کے احکام پر مشتمل ہے اور اس کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت وسیع مطالعہ کے ساتھ جزئیات جمع کی گئی ہیں، غالباً اس کتاب میں ''فتاویٰ سراجیہ'' سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

۸- دسویں صدی ہجری کا ایک فقہی کارنامہ ''فتاویٰ امینیہ'' ہے، جس کے مصنف محمد امین بن عبید اللہ مومن آبادی بخاریؒ ہیں، یہ فارسی زبان میں ہے اور اس کا مخطوطہ 205/صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب سوال و جواب کی شکل میں مرتب کی گئی ہے اور جواب میں معتبر کتب فقہ سے بکثرت عربی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

۹- برصغیر کی قدیم فقہی تصنیفات میں ایک علامہ مخدوم محمد جعفر بن علامہ عبدالکریم مشہور بہ میران بن یعقوب بوبکانی سندھیؒ کی تالیف ''المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ'' ہے، جو عربی زبان میں ہے اور 1962ء میں ''لجنۃ احیاء الادب السندھی'' نے شائع کی ہے، ''بوبکانی'' نسبت کی اصل یہ ہے کہ مصنف بوبکان نامی قریہ میں سکونت پذیر تھے، جہاں حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے کچھ لوگ آباد تھے، جن کو ان کے زہد وتقویٰ اور خدمت علم کی وجہ سے مخدوم کہا جاتا تھا، 949ھ میں ان کی وفات ہوئی، وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے، اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی جکن گجراتیؒ کی کتاب ''خزانۃ الروایات'' کو مصنف نے سامنے رکھا ہے، اس میں سے ضعیف اقوال کو نکال دیا ہے اور مفتی بہ اور معتبر روایات کا اضافہ کیا ہے؛ اسی لئے اس کو ایک معتبر مجموعہ مانا گیا ہے۔

۱۰- ہندوستان میں مغل حکومت کا بانی ''ظہیر الدین بابر'' جہاں ایک حوصلہ مند جنگجو اور دانشمند حکمران تھا، وہیں علم وادب کا ذوق بھی رکھتا تھا، اس کو شعر وانشاء اور عروض میں مہارت تھی اور فارسی وترکی دونوں زبانوں میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے پر قدرت حاصل تھی، بابر کی خواہش ہوئی کہ فقہی مسائل پر ایک جامع کتاب مرتب ہونی چاہئے، شیخ نور الدین خوافیؒ نے اس کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور ''الکافی، ہدایہ، شرح وقایہ، خزانۃ الروایات اور فتاویٰ قاضی خان وغیرہ'' سے مسائل کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور بابر سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''فتاویٰ بابری'' رکھا، جس کا مخطوطہ بڑی تقطیع کی تختی پر 626/صفحات پر مشتمل ہے، ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں؛ لیکن ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے۔

۱۱- حکومت کے زیر انتظام فتاویٰ کی ترتیب کا جو سب سے عظیم الشان کام انجام پایا، وہ ہے: ''فتاویٰ ہندیہ''، جسے ''فتاویٰ عالمگیری'' سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ہندوستان کے مشہور اور طاقتور حکمران اورنگ زیب عالمگیر (1027ھ 1618ء-1118ھ 1707ء) جہاں ایک زمانہ شناس، انصاف پرور حکمراں اور ماہر سپہ سالار تھے، وہیں اللہ نے ان کو علم کی دولت سے بھی نوازا تھا، انھوں نے بادشاہی کے ساتھ ساتھ فقیری کو جمع کر رکھا تھا، وہ اچھے خطاط بھی تھے، قرآن مجید کی بہترین کتابت کرتے تھے اور سیاست وسپہ گری کے ساتھ ساتھ علمی ذوق اور تفقہ کے بھی حامل تھے، اس نے اپنے زمانے کے ممتاز علماء مولانا عبداللطیف سلطانپوریؒ، مولانا محمد ہاشم گیلانیؒ اور شیخ محی الدین ملا بہاریؒ سے کسب علم کیا، اس کی دین داری کا حال یہ تھا کہ وہ نماز باجماعت، تہجد، تراویح اور رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف، پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزے اور تمام مسنون روزے رکھنے کے پابند تھے، زکوٰۃ ادا کرتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت بکثرت کیا کرتے تھے، ہر سال اپنے اخراجات سے بہت سے لوگوں کو حرمین شریفین بھیجتے تھے، اکابر علماء سے ''احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالمگیری'' پر مذاکرہ کیا کرتے تھے، انھوں نے تخت نشیں ہونے سے پہلے احادیث کی ایک اربعین مرتب کی تھی، تخت نشیں ہونے کے بعد ایک دوسری ''اربعین'' مرتب کی اور بنفس نفیس فارسی زبان میں ان دونوں کا ترجمہ کیا، وہ راہ سلوک سے بھی ناآشنا نہیں تھے، انھوں نے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے پوتے اور شیخ محمد معصوم سرہندیؒ کے صاحبزادے شیخ سیف الدین سرہندیؒ سے اصلاحی تعلق رکھا تھا اورنگ زیب عالمگیر کی زمینی فتوحات کی شہادت کے لئے یہ کافی ہے کہ انھوں نے ایک وسیع ہندوستان کا تصور دیا، نہ اورنگ زیب سے پہلے اس ملک کو یہ وسعت حاصل تھی اور نہ اورنگ زیب کے بعد یہ وسعت حاصل ہوسکی، وہیں ان کی علمی فتوحات کی زندہ شہادت فتاویٰ عالمگیری کا مجموعہ ہے، جس درجہ فقہی جزئیات کا احتواء اس کتاب میں ہے، شاید ہی فقہ حنفی کی کسی اور کتاب میں ہو، جو بختاور خان کے بیان کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب

بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف منسوب فقہی احکام کے مجموعے تو اور بھی ہیں؛ لیکن اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے خود اس کی ترتیب کا فرمان جاری کیا، ملک بھر سے اس فن میں مہارت رکھنے والے علماء کو جمع کیا، ایک خاص انتظام کے ساتھ ان میں یہ کام تقسیم کیا گیا، وہ خود فقہ کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، بحث میں حصہ لیتے تھے، ایک ایک عبارت کو سنتے تھے، اور جہاں کوئی کوتاہی محسوس ہوتی اس پر ٹوکتے تھے، انھوں نے اس کام میں شریک علماء کو بہترین سہولتیں اور اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ فراہم کیا، جو بادشاہ کا اپنا کتب خانہ تھا اور جوان

کے اپنے آباء واجداد کی طرف سے چلا آیا تھا، یہاں تک کہ بابر کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سفر کے دوران بھی اپنا کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا، اس طرح آٹھ سال اور ایک روایت کے مطابق دس سال میں احکام کا یہ مجموعہ مرتب ہوا، جس پر اس زمانے کے دولاکھ روپے خرچ ہوئے، جو ایک غیر معمولی رقم تھی۔

اس مجموعہ کی خصوصیات

اب فتاویٰ کے اس عظیم مجموعہ کی چند خصوصیات ملاحظہ فرمائیں :

۱- فتاویٰ عالم گیری کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہی ہے کہ اجتماعی طور پر اس کی تدوین عمل میں آئی ہے اور اپنے زمانے کے اکابر اہلِ علم اس کام میں شریک رہے ہیں، یہ ایک طرح سے امام ابوحنیفہؒ کے اجتماعی اجتہاد کے طریقۂ کار کی پیروی ہے۔

۲- اس کے علاوہ اس مجموعہ کے مرتب کرنے کا محرک یہی ہوا کہ بادشاہ نے محسوس کیا کہ بعض قضاۃ ضعیف اور غیر مفتی بہا اقوال پر فیصلہ دے دیتے ہیں؛ اس لئے اس میں التزام کیا گیا کہ ظاہر روایت کے مسائل لئے جائیں اور جو مسائل ظاہر روایت میں نہیں ہوں، ان میں نوادر کی ایسی روایت لی جائے جس کو فقہاء نے مفتی بہ قرار دیا ہو، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قول منقول ہوں اور کسی کو ترجیح نہیں دی گئی ہو تو ترجیح کے بغیر اسے نقل کر دیا جائے۔

۳- کتاب میں حوالہ ذکر کرنے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور نقل میں اس درجہ احتیاط کی گئی ہے کہ جس کتاب سے براہ راست عبارت لی گئی ہے، اس کتاب کا نام ذکر کیا گیا ہے، اور اگر کسی کتاب کا حوالہ بالواسطہ ہے اور کسی دوسری کتاب کے واسطے سے مسئلہ کا ذکر آیا ہے تو اصل کتاب کا حوالہ دے کر ''ناقلاً عن فلاں'' لکھ دیا گیا ہے، اسی طرح اگر عبارت بعینہٖ نقل کی گئی ہے تو بعض اہل علم کی صراحت کے مطابق عموماً ''کذا فی فلاں'' لکھا گیا ہے اور اگر مرتبین کی طرف سے اصل عبارت میں تصرف کرتے ہوئے اس کا خلاصہ یا اس کی وضاحت کی گئی ہے تو اس کو ''ہٰکذا فی فلاں'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- کتاب کی ترتیب تو ''ہدایہ'' پر ہے؛ لیکن ابواب وفصول کی ترتیب اتنی عمدہ، فطری اور منطقی ہے کہ اس سے بہتر ترتیب نہیں ہوسکتی، اس میں پہلے کتاب کا عنوان قائم کیا جاتا ہے، یہ مرکزی عنوان ہوتا ہے، پھر اس موضوع کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا جاتا ہے، پھر ہر باب میں آنے والے مسائل کی فصول میں تقسیم ہوتی ہے اور بالکل شروع میں مرکزی موضوع کی اصطلاحی تعریف نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، غرض اتنی بہترین ترتیب کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی گئی ہے کہ اگر آئندہ کوئی اس کتاب کے اندر آنے والے موضوعات میں سے کسی موضوع پر کام کرنا چاہے تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہوسکتی۔

۵- اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عہد وسطیٰ کی کتابوں کی طرح مغلق عبارتیں، پیچیدہ تراکیب اور مشکل الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے، آسان، سلیس اور عام فہم تعبیر اختیار کی گئی ہے؛ اس لئے بسہولت عبارت سمجھ میں آجاتی ہے۔

۶- عام طور پر فقہ کی کتابوں میں عبادات کے حصے پر بہت زور ہوتا ہے اور مصنف جوں جوں آگے بڑھتا ہے، اس کا قلم تعب وتھکن سے دوچار ہوجاتا ہے؛ اس لئے معاملات اور سیَر وغیرہ سے متعلق گفتگو مختصر ہوتی جاتی ہے، اس کتاب کو چوں کہ مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ کے لئے الگ ذمہ دار متعین کیا گیا اور اس ذمہ دار کے لئے معاونین فراہم لئے گئے؛ اس لئے کتاب میں شروع سے آخر تک وضاحت وتشریح کے اعتبار سے یکسانیت پائی جاتی ہے۔

۷- کتاب کی اچھی خاصی ضخامت کے باوجود اس میں مسائل کی تکرار شاذ ونادر ہی پائی جاتی ہے۔

۸- محسوس ہوتا ہے کہ مرتبین نے شاذ ونادر الوقوع مسائل کے تذکرہ سے احتیاط برتی ہے اور بہت کم ایسے مسائل شامل کئے گئے ہیں۔

۹- اس کتاب کا بنیادی مقصد قضاۃ کی مدد کرنا اور ان کو ضعیف اقوال کی بنیاد پر فیصلہ کرنے سے بچانا ہے؛ اس لئے اس میں قضاء کے احکام اور شروط وسجلات پر نسبتاً تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۱- اورنگ زیب عالمگیر ان دین دار سلاطین میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندوستان کے اندر زیادہ سے زیادہ قانون شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کی اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ہندوستان میں جب مسلم حکومت تھی، تب بھی یہاں کی اکثریت غیر مسلموں پر ہی مشتمل تھی؛ اس لئے اس میں اہل ذمہ کے احکام پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے۔

اس کتاب میں قریب قریب فقہ حنفی کی تمام معتبر اور معروف کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے؛ اس لئے اس کے مصادر کی بڑی تعداد ہے، بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مراجع کی تعداد دوسو سے زیادہ ہے، شاید یہ تعداد بالواسطہ مراجع کو شامل کر کے ہو، مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے 123 / مراجع کا ذکر کیا ہے؛ لیکن اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یہ تمام مصادر کا احاطہ نہیں، مولانا اسحاق بھٹیؒ نے بھی اپنی کتاب میں ماخذ کو نام بنام لکھنے کی کوشش کی ہے، تاہم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے رفیق عزیز مکرم مولانا محمد ندوی سلمہ اللہ نے کام کے دوران ان کو الگ سے نوٹ کرنے کا اہتمام کیا؛ چنانچہ ان کتابوں کے نام مع اسماء مصنفین درج ذیل ہیں :

اس کتاب میں بحیثیت مجموعی کتاب کی تعداد 61، ابواب کی تعداد 616، فصول کی تعداد 359، انواع کی تعداد 9، اور اقسام کی 9 ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر چوں کہ خود ایک صاحب علم حکمران تھے اور موجودہ برما سے لے کر افغانستان کی راجدھانی کابل تک ان کی فرماں روائی کا سکہ چل رہا تھا؛ اس لئے انھوں نے پورے ملک سے ممتاز فقہاء وعلماء کو اس کی تدوین کے لئے جمع کیا تھا، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کن حضرات کی شرکت ہوئی، اس زمانے کی کتب تاریخ میں اس کی صراحت نہیں ملتی، شاید مستقل طور پر اس موضوع سے متعلق سب سے پہلے مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے قلم اُٹھایا، انھوں نے کل 26 ر حضرات کا ذکر کیا ہے، (فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین، ص: 29 تا ختم کتاب، کل صفحات: 140) مولانا اسحاق بھٹیؒ نے اپنی گراں قدر محققانہ وقیع تالیف ''برصغیر میں علم فقہ'' (صفحات: 284) میں 28 ر شخصیتوں کا ذکر کیا ہے، اور فاضل گرامی محب محترم مولانا صدر الحسن ندوی نے اپنی کتاب ''اورنگ زیب اور تدوین فتاوی عالمگیری'' (صفحات: 85) میں 31 ر شخصیتوں کا ذکر کیا ہے، بعید نہیں کہ اس کے علاوہ بھی ایسے افراد ہوں، جن کی اس اہم کام میں شرکت ہوئی ہو؛ لیکن تاریخ کے صفحات میں کہیں ان کا نام نہیں آسکا ہو، جن کے نام مذکور ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

1. زملا نظام برہان پوریؒ
2. مولانا جلال الدین مچھلی شہریؒ
3. مفتی وجیہ الدین گوپا مئویؒ
4. مفتی محمد اکرم لاہوریؒ
5. قاضی محمد حسین جان پوریؒ
6. شیخ رضی الدین بھاگلپوریؒ
7. میر سید محمد قنوجیؒ
8. ملا حامد جون پوریؒ
9. ملا محمد جمیل جون پوریؒ
10. قاضی سید علی اکبر سعد اللہ خانی الہ آبادیؒ
11. شیخ نظام الدین سندھی ٹھٹھویؒ
12. علامہ ابوالواعظ ہرگامی بدایونیؒ
13. شیخ احمد گوپا مئویؒ
14. شیخ محمد غوث کاکورویؒ
15. شیخ فصیح الدین جعفری پھلوارویؒ
16. شیخ عبدالفتاح صمدانی جون پوریؒ
17. قاضی عصمت اللہ لکھنویؒ
18. مفتی ابوالبرکات دہلویؒ
19. قاضی عبدالصمد جون پوریؒ
20. قاضی محمد دولت فتحپوریؒ
21. مولانا محمد سعید سہالویؒ
22. قاضی سید عنایت اللہ مونگیریؒ
23. شاہ عبدالرحیم دہلویؒ
24. شیخ محمد شفیع بہاریؒ
25. شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی سندھیؒ
26. ملا وجیہ الربؒ
27. مولانا سید محمد فائقؒ
28. علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدنؒ
29. قاضی القضاۃ ملا غلام احمد لاہوریؒ
30. ملا ضیاء الدین محدثؒ
31. مولا حیدر قاضی خان کشمیریؒ

ترتیب فتاویٰ کے اس مجموعہ کے صدر ملا نظام الدین برہان پوریؒ بنائے گئے، جو اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتے تھے اور خود اورنگ زیب ان سے بہت متاثر تھے، پھر کتاب کے ہر رُبع پر ان کے تحت ایک افسر مقرر کئے گئے، اور علماء کی ایک مناسب تعداد فراہم کی گئی، جو مسائل جمع کریں؛ اس لئے کتاب کی وسعت، اور کتاب کی وسعت کے اعتبار سے تالیف کی مدت دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس کام میں کم وبیش چالیس پچاس اہل علم کی شرکت رہی ہوگی، تاریخ کی روشنی جن کے چہروں پر پڑ سکی، ان کے نام آج ہمارے سامنے ہیں، اور جو لوگ تاریخ کے بے رحم ہاتھوں گمنامی کے مدفن میں ڈال دیئے گئے، ان کا نام صرف اللہ کے رجسٹر میں باقی رہا اور اصحابِ تحقیق کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکی، رحمہم اللہ وتقبل حسناتہم۔

فتاویٰ عالمگیری کے ترجمے

اللہ کی طرف سے اس کتاب کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک تو پورے عالم اسلام میں اس کا شمار فقہ کی مقبول ترین کتابوں میں ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ بھی ہوا ہے، علامہ عبداللہ رومی چلپیؒ نے اور ان کے بعد قاضی القضاۃ نجم الدین علی کاکورویؒ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، اُردو میں اس کا ترجمہ مولانا سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے کیا ہے، جو دس جلدوں میں مطبع نول کشور لکھنو سے شائع ہو چکا ہے اور اس کو بہت معتبر اور مقبول ترجمہ مانا گیا ہے، بعد میں اس کا ایک اور اُردو ترجمہ مفتی جمیل الرحمٰن صاحبؒ، مولانا لقمان الحق فاروقیؒ اور مفتی کفیل الرحمٰن عثمانیؒ نے کیا ہے، جو دیوبند سے شائع ہوا ہے اور اب بھی اس کی اشاعت جاری ہے، 1850ء میں بیلی نے اس کے منتخب حصوں کا ترجمہ انگریزی زبان میں (A digest of Mohammeten Hanefea and Islamic law in India) کے نام سے شائع کیا، جس کا محرک یہ تھا کہ عدالتیں اس سے فائدہ اُٹھا سکیں؛ چنانچہ ہندوستان کی عدالتوں میں آج بھی مسلم پرسنل لاء سے متعلق مقدمات میں زیادہ تر فتاوی عالمگیری اور درمختار سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔

تحقیق کا کام

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، جس کے شعبۂ تحقیق کی کوششوں سے اس وقت فتاویٰ ہندیہ کا تحقیق شدہ نسخہ اہل علم کی بارگاہ میں پہنچ رہا ہے، اس کے قیام کے مقاصد میں سے ایک ''بحث وتحقیق'' بھی ہے، یہاں ابتداءً تو تفسیر وحدیث اور فقہ کے سال دوم کے طلباء سے اہم علمی موضوعات پر لکھانے کا اور تحقیق وتعلیق کا کام ہوتا رہا ہے؛ لیکن چند سال بعد باضابطہ اس کا شعبہ قائم ہوا؛ چنانچہ یہاں سے پانچ جلدوں میں بدائع الصنائع کی تخریج اور تین جلدوں میں فتاویٰ سراجیہ کا کام منظر عام پر آچکا ہے؛ لیکن ادارہ نے سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ جس کتاب پر تحقیق کا

کام شروع کرایا ہے، وہ ''فتاویٰ ہندیہ'' ہے، اور اس کا محرک یہ ہے کہ یہ فقہ حنفی کی جزئیات کا شاید سب سے بڑا مخزن ہے، اور ہندوستان سے لے کر وسط ایشیا تک اہل سنت والجماعت کی غالب تعداد فقہ حنفی ہی سے وابستہ ہے، نیز فقہ کی یہ انسائیکلو پیڈیا ہندوستان ہی میں اور یہیں کے اہلِ علم کے ذریعہ مرتب ہوئی، نیز یہ کتاب نہ صرف ارباب افتاء وقضاء کا مرجع ہے؛ بلکہ انگریزوں کے وقت سے غیر مسلم سرکاری عدالتیں بھی اس کتاب کو قانون شریعت کا معتبر ماخذ مانتی آرہی ہیں، اس کتاب میں عبادات کے ساتھ ساتھ معاملات اور زندگی کے تمام مسائل کا احاطہ ہے اور زیادہ سے زیادہ معتبر اور مفتی بہ اقوال کو نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

معہد میں اس کام کو چند افراد کی ٹیم مل کر انجام دے رہی ہے، جس میں سرفہرست معہد کے فاضل عزیز مکرم مولانا محمد ندوی زادہ اللہ علما نافعا وعملاً صالحا کا نام ہے، جنھوں نے 2015ء سے اس کام کو شروع کیا تھا، 2017ء سے اس کام میں معہد کے ایک اور فاضل عزیزی الاعز مولانا عبید اختر رحمانی سلمہ اللہ تعالیٰ شامل ہو گئے اور اس طرح بنیادی طور پر یہ دونوں حضرات اس اہم کام کو انجام دے رہے ہیں، ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً معہد کے مختلف علماء نے بھی اس کام میں شرکت کی ہے، جن کے نام حسبِ ذیل ہیں :

1. محمد عرفان ندوی
2. محمد عقیل اظہر مظاہری
3. محمد عاصم قاسمی
4. منور سلطان ندوی
5. محمد زبیر ندوی
6. محمد وزیر مظاہری
7. محمد ندوی
8. محمد سیف اللہ قاسمی
9. محمد شاہنواز عالم قاسمی
10. محمد فیاض قاسمی
11. عبید اللہ قاسمی
12. محمد عزیر فلاحی
13. محمد فرقان (فاضل دار العلوم چھاپی گجرات)
14. شکیل احمد ندوی

فتاویٰ ہندیہ پر یہاں جو کام کیا گیا ہے، وہ حسبِ ذیل ہے :

1- ہندوستان میں فتاویٰ ہندیہ کا جو متداول نسخہ موجود ہے، اسی کو اصل بنایا گیا ہے، اور چوں کہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کا ماخذ موجود ہوتا ہے؛ لہٰذا اصل کتابوں سے مراجعت کر کے مسئلہ کا مقارنہ کیا گیا ہے اور حسبِ ضرورت عبارت کی تصحیح کی گئی ہے، نیز حاشیہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

2- اصل کتاب میں جو حوالے مذکور ہیں؛ خواہ مطبوعہ کتب کے ہوں یا مخطوطہ نسخہ کے، ان کی تخریج کی گئی ہے۔

3- محولہ کتابوں کے علاوہ اسی مسئلہ کی تائید وتقویت کے طور پر دوسری کتابوں کے بھی حوالے دیئے گئے ہیں۔

4- کتابوں کے حوالے میں ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ باب اور فصل کا ذکر کیا جائے؛ تاکہ وہ ہر ایڈیشن کے لئے کفایت کرے، جلد نمبر اور صفحہ نمبر عموماً مختلف ایڈیشنوں میں بدل جاتے ہیں۔

5- کتاب میں جن مطبوعات کا حوالہ ہے، ان کی تخریج تو کی ہی گئی ہے، اگر حوالہ کی کتابیں مخطوطہ کی شکل میں ہوتو ان کی بھی مخطوطات سے تخریج کی گئی ہے، اور جہاں سے بھی مقصود حاصل ہوگیا، اس سے استفادہ کیا گیا؛ البتہ ترکی کے مخطوطات سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

6- اگر کسی مسئلہ میں بلا ترجیح دو اقوال نقل کر دیئے گئے ہیں، تو حاشیہ میں دوسری کتابوں کی مدد سے مفتی بہ قول کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

7- بعض جگہ اصل کتاب میں جس قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، نیز اہل علم نے اس کو مرجوح اور اس کے برعکس قول کو راجح قرار دیا ہے، حاشیہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

8- مشکل الفاظ کو بھی حاشیہ میں واضح کیا گیا ہے۔

9- اگر چہ اس کتاب میں نصوص بہت کم آئی ہیں؛ لیکن جہاں کہیں قرآن مجید کا حوالہ آیا ہے، وہاں سورہ اور آیت نمبر درج کر دیا گیا ہے، اسی طرح جو حدیثیں آئی ہیں، حاشیہ میں ان کی تخریج کر دی گئی ہے۔

10- اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ کتاب میں اپنی طرف سے کوئی بات نہ لکھی جائے؛ اسی لئے مسائل کی تفصیلی فہرست مرتب کی گئی ہے، اور اسے ہر جلد کے آخر میں شائع کیا گیا ہے؛ تاکہ مسائل تلاش کرنے میں آسانی ہو اور کتاب کے متن میں ذیلی عناوین قائم نہیں کئے جائیں۔

11- اصل کتاب میں جو عنوانات تھے، ان کو باقی رکھتے ہوئے ان کے خط کو جلی کیا گیا ہے۔

12- اگر عبارت کے درمیان کتابوں کے نام آئے ہوں تو اسے واوین میں رکھتے ہوئے جلی کر دیا گیا ہے اور آخر میں کتابوں کے نام ہیں، تو اسے واوین کے بغیر جلی کر دیا گیا ہے؛ تاکہ کتابوں کے نام سمجھ میں آجائیں۔

13- بعض کتابیں مختصر نام کے ساتھ معروف ہیں، جیسے: ''عینی شرح الکنز'' جس کا اصل نام ''رمز الحقائق'' ہے تو ایسے موقع پر حاشیہ میں کتاب کا اصل نام ذکر کیا گیا ہے۔

14- اسی طرح کتاب میں جہاں فارسی الفاظ ہیں، وہاں عام طور پر عربی تلفظ میں لکھا گیا ہے، جیسے: 'پ' کی جگہ 'ب' 'گ' کی جگہ 'غ'، تو ایسی جگہوں پر کوشش کی گئی ہے کہ اس کو اصل فارسی الفاظ ہی میں لکھا جائے؛ تاکہ اس کی اصالت باقی رہے۔

15- ایک اہم اورضروری کام مسائل کی ترقیم کا کیا گیا ہے، کتاب چوں کہ جزئیات کا ایک سمندر ہے اور بہت سے مسائل آپس میں مربوط بھی ہیں، توفقرہ نمبر نہ ہونے کی وجہ سے اس میں دشواری پیش آتی ہے؛اس لئے عبارتوں میں فقرہ بندی کی گئی ہے اور ہرفقرہ کا مسلسل نمبر لکھا گیا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں جن کتابوں اور شخصیتوں کا ذکر آیا ہے، ان کے تعارف وترجمہ کے لئے دوملحق تیار کئے جارہے ہیں، ایک: تعارف کتب کے لئے، دوسرا: تراجم اعلام کے لئے، ہرصفحہ پرتعارف وترجمہ کے تذکرہ سے اجتناب کیا گیا ہے؛ کیوں کہ ایک ہی کتاب اورشخصیت کے نام بار بار آئے ہیں؛ اگر ہرصفحہ پرتعارف اورترجمہ لکھا جاتا تو کافی تکرار ہوجاتا، اور اگر ایک جگہ لکھ کر آگے اس جگہ کا حوالہ دے دیا جاتا تو رجوع کرنے میں دشواری ہوتی۔

میں اس موقع پر تحقیق وتصحیح کے کام میں شریک اپنے تمام عزیزوں کو مبارکباد بھی پیش کرتا ہوں اوراس کام کے مشرف نیز المعہد العالی کے خادم کی حیثیت سے ان تمام عزیزوں کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں، نیز میں مکتبہ زکریا دیوبند کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے بہت بہتر طریقہ پر اپنے مؤقر مکتبہ سے اسے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں جزاءِ خیر عطا فرمائے اور جلد سے جلد اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

• • •

اعضاء کی پیوند کاری، اسلامی نقطۂ نظر

مولانا محمد رضی الرحمٰن قاسمی ☆

موجودہ دور میں میڈیکل سائنس نے خاصی ترقی کر لی ہے ہے، وہ امراض جو پہلے لاعلاج سمجھے جاتے تھے، ان سے بھی شفایابی کے لئے دوائیں بن گئی ہیں، اور نت نئے طریقہ ہائے علاج سے انسانیت استفادہ کر رہی ہے، ان میں سے ایک، محفوظ طریقے سے وسیع پیمانے پر اعضاء کی پیوند کاری بھی ہے، تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ محدود پیمانے پر بعض اعضاء مثلاً: دانت اور جسم کی کھال وغیرہ کی پیوند کاری کے ذریعے علاج قدیم زمانے سے رائج ہے؛ بلکہ بعض تاریخی روایات کے مطابق ہمارے ملک ہندوستان کو کھال کی پیوند کاری کے ذریعہ علاج میں اولیت حاصل ہے۔(١)

اعضاء کی پیوند کاری کی صورتیں اور اقسام

اعضاء کی پیوند کاری کی بنیادی طور پر چار صورتیں ہوتی ہیں :

(1) جمادات ونباتات سے بنے ہوئے اعضاء کو انسانی جسم سے جوڑنا۔

(2) حیوانات کے اعضاء سے پیوند کاری۔

(3) خود انسان کے اپنے اعضاء سے پیوند کاری۔

(4) کسی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے اعضاء کی پیوند کاری۔

جمادات ونباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری

جمادات ونباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوند کاری کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے، جیسے لکڑی کا ہاتھ پاؤں لگالینا، پتھر وغیرہ کا دانت لگالینا وغیرہ؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسانوں کے نفع کے لئے بنایا

☆ فاضل: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد، حال مقیم ینبع، مدینہ طیبہ۔

(١) تاریخ زرع الاعضاء فی الانسان، مجلہ تاریخ العرب والعالم، العدد 42، جمادی الثانی، ص:36۔

ہے:''هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ''(البقرۃ:29)اور انسانوں کے لئے ان اشیاء سے مباح فائدہ اُٹھانے کو جائز قرار دیا گیا ہے؛ بلکہ بعض ونباتات و جمادات جن سے عام حالت میں استفادہ درست نہیں ہے، ان سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری کو بھی شریعت نے جائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ عام حالت میں مردوں کے لئے سونے کا استعمال درست نہیں ہے؛لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی عرفجہ بن سعد کو سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا، جب کہ ان کی ناک ایک جنگ میں کٹ گئی تھی، اور انھوں نے چاندی کی ناک لگائی تھی،جس سے بدبوآنے لگی تھی :

أُصِيبَ أَنفي يومَ الكِلابِ في الجاهليَّةِ فاتَّخَذتُ أنفًا من ورِقٍ فأَنتَنَ عليَّ ، فأمرَني رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ أن أتَّخِذَ أنفًا من ذَهَبٍ ۔ (۱)

حیوانات کے اعضاء کی پیوندکاری

حیوانات کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے اور منفعت کے لئے پیدا فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:''وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ''(النحل:5) لہٰذا علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حیوانات کے اجزاء سے پیوندکاری درست ہے؛ البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور (جس جانور کا گوشت کھانا درست ہے) کے اعضاء سے علاج ممکن ہو تو اسی کو استعمال کیا جائے ،اگر اس کے اعضاء بوقت ضرورت فراہم نہ ہوسکیں یا ان سے علاج ممکن نہ ہو،تو ان حیوانات کے اعضاء واجزاء کو استعمال کیا جائے ، جو ذبح کے ذریعہ پاک ہوجاتے ہیں ،آخری صورت میں نجس العین جانور کے اعضاء واجزاء کے استعمال کی گنجائش ہے، جب کہ علاج کے لئے وہی متعین ہوجائے ؛اس لئے کہ حلال و پاک اشیاء کے رہتے ہوئے ناپاک اشیاء سے علاج درست نہیں ہے؛البتہ مجبوری اور ضرورت کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔(۲)

انسان کی اس کے اپنے اعضاء سے پیوندکاری

انسان کے اپنے کسی کٹے ہوئے عضو کو جوڑ دینے یا اس کے کسی عضو یا جز کو ایک جگہ سے لے کر خود اسی کے جسم میں دوسری جگہ پر پیوندکاری کے سلسلے میں فقہاء کے دو نقاط نظر ہیں :

---

(۱) ترمذی، کتاب اللباس، حدیث نمبر:1770،ابوداؤد، باب الخاتم، حدیث نمبر:4232۔

(۲) الدرالمختار مع الرد:1/366360، باب المیاہ۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز سمجھتے ہیں؛ اس لئے کہ عضو جسم سے جدا ہو جانے کے بعد میت اور مردار کے حکم ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اسے دفن کرنا واجب ہے، جس طرح کہ خود انسان مر جائے تو اسے دفن کر دینا واجب ہو جاتا ہے، اسے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے۔

فإذا انفصل أستحق الدفن كله ، والإعادة حرف له عن جهة الإستحقاق ۔ (۱)

یہی رائے حضرت امام شافعیؒ کی ہے، (۲)، اور یہی حضرت امام احمدؒ کا ایک قول ہے۔ (۳)

دوسرا نقطۂ نظر اس کے جواز کا ہے، یہ احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اعضاء انسانی سے انتفاع کے درست نہ ہونے کی وجہ تکریم انسانیت ہے، یعنی اس سے انتفاع انسانیت کی توہین ہے؛ لیکن اپنے عضو سے انتفاع میں کوئی توہین نہیں پائی جاتی ہے۔

إن إستعمال جزء منفصل من بني آدم إهانة بذلك الغير ، والآدمي بجميع أجزائه مكرم ، ولا إهانة في إستعمال جزء نفسه في الإعادة إلى مكانه ۔ (۴)

حنابلہ کی یہی مفتی بہ رائے ہے، (۵) شوافع میں سے ماوردی اور نووی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے۔ (۶)

بعض دلائل کی بنیاد پر دوسرا قول پہلے کے مقابلے میں راجح معلوم ہوتا ہے :

حضرت قتادہؓ کی حدیث ہے کہ ایک جنگ میں ان کی آنکھ کا ڈھیلا نکل آیا، وہ اسے ہاتھ میں لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی؛ لیکن انھوں نے ایک عذر بیان کر کے یہ فرمایا کہ اس کا صحیح ہو جانا میں اپنے لئے زیادہ مفید سمجھتا ہوں؛ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے حلقے میں رکھ دیا، اور وہ آنکھ صحت مند ہوگئی :

(۱) بدائع الصنائع: 4/316، آخر کتاب الاستحسان۔
(۲) روضۃ الطالبین: 9/197۔
(۳) المغنی: 1/543۔
(۴) بدائع الصنائع: 4/316۔
(۵) المغنی: 1/543۔
(۶) مغنی المحتاج: 1/90، الحاوی الکبیر: 1/58۔

عن قتادة أنه قال : كنت يوم أحد أتقي السهام بوجهي عن وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان آخرها سهما ندرت منه حدقتي ، فأخذتها ''أي رفعتها'' بيدي أي وقلت : يا رسول الله إن لي امرأة أحبها وأخشى أن تراني تقذرني أي وقال له إن شئت صبرت ولك الجنة ، وإن شئت رددتها ودعوت الله تعالى لك ، فقال : يا رسول الله إن الجنة لجزاء جزيل ، وعطاء جليل ، وإني مغرم بحب النساء ، وأخاف أن يقلن أعور فلا يردنني ، ولكن تردها وتسأل الله تعالى لي الجنة فردها ودعا لي بالجنة ۔ (۱)

عضو کے جسم سے جدا ہونے کے بعد اگر اس کو جوڑنا اور اس کی پیوند کاری درست نہیں ہوتی، تو حضور ﷺ حضرت قتادہؓ کے آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے حلقے میں نہیں رکھتے ؛ بلکہ اسے دفن کر دینے کا حکم فرماتے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ کٹے ہوئے عضو کو مردہ انسان پر قیاس کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ واجب الدفن ہے، اسی طرح کٹا ہوا عضو بھی واجب الدفن ہے ؛ لیکن اگر کوئی انسان معجزہ یا کرامت کے طور پر بحکم خداوندی دوبارہ زندہ ہو جائے ، تو کیا پھر بھی وہ واجب الدفن ہوگا ، یقیناً نہیں ؛ لہٰذا جب کٹے ہوئے عضو کی پیوند کاری کی جاتی ہے اور وہ ایک وقت کے بعد جسم کا ایک حصہ بن جاتا ہے، تو وہ بھی میت کے حکم میں باقی نہیں رہتا ہے ؛ بلکہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ اسے جسم سے جدا ہی نہیں کیا گیا ؛ لہٰذا اسے بھی واجب الدفن نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس کی پیوند کاری کو جہت استحقاق سے پھیرنا قرار دیا جانا چاہئے ۔

علامہ شامیؒ نے اسی طرح کی بات شرح مقدسی کے حوالے سے نقل فرمائی ہے :

وفي شرح المقدسي قلت : والجواب عن الإشكال أن إعادة الأذن وثباتها إنما يكون غالباً بعود الحياة إليها ، فلا يصدق أنها مما أبين من الحي لأنها بعود الحياة إليها صارت كأنها لم تبن ، ولو فرضنا شخصا مات ثم أعيدت حياته معجزة أو كرامة لعاد طاهرا ۔ (۲)

فتویٰ اس سلسلے میں دوسرے ہی قول پر ہے اور عام طور سے علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔

(۱) السیرۃ الحلبیۃ: 2/252، المستدرک للحاکم: 3/334، حدیث نمبر: 5281۔

(۲) ردالمحتار: 1/361، کتاب الطہارۃ، باب المیاہ۔

ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوندکاری

اعضاء کی پیوندکاری کی چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک انسان کے عضو کی دوسرے کے جسم میں پیوندکاری کی جائے ، اس سلسلے میں علماء کے دو نقاط نظر ہیں : ایک بڑی جماعت چند شرائط کے ساتھ اس کے جواز کی قائل ہے ، اور علماء کی ایک معتد بہ تعداد اس کے عدم جواز کی بھی رائے رکھتی ہے۔

فریقین میں سے کس کی رائے مزاج شریعت کے زیادہ موافق ہے اور اس میں شرعی دائرے میں رہتے ہوئے لوگوں کی ضرورت کو بھی زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے؟ اس کو جاننے کے لئے چند باتوں کی توضیح ضروری ہے ، اس لئے کہ ان ہی اُمور میں اختلاف کی وجہ سے اس مسئلے میں چار نقاط نظر ہوئے ہیں۔

(1) کیا انسان کا کٹا ہوا عضو ناپاک ہے؟

(2) انسان کو اپنے جسم میں کس قدر تصرف کا اختیار ہے؟

(3) کیا انسان کے عضو کی پیوندکاری اس کی توہین ہے؟ کیا ضرورت کے وقت بھی اس کی گنجائش نہیں ہے؟

(4) کیا یہ سد ذریعہ کے طور پر حرام نہیں قرار دیا جاسکتا؟ کیوں کہ یہ انسانی اسمگلنگ اور اعضاء کے خرید وفروخت کا سبب بنتا ہے۔

1- اب جہاں تک انسان کے کٹے ہوئے عضو کی پاکی وناپاکی کا مسئلہ ہے، تو اس سلسلے میں مالکیہ کا مسلک (۱) حنابلہ کی مفتی بہ رائے (۲) اور شوافع میں سے ماوردی اور نووی کا مسلک (۳) اس کی پاکی کا ہے، احناف کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ جن اعضاء میں خون نہیں سرایت کرتا ہے، مثلاً: ہڈی بال وغیرہ وہ ہر صورت میں پاک رہتے ہیں ؛ البتہ جن اعضاء میں بہنے والا خون رہتا ہے، وہ کٹنے کے بعد ناپاک ہوجاتے ہیں، (۴) احناف کے یہاں ایک قول دوسرے قسم کے اعضاء کے بھی کٹنے کے بعد پاکی کا ہے :

واختلف في أذنه ، ففي البدائع نجسة ، وفي الخانية: لا ـ (۵)

(۱) الشرح الکبیر:1/54۔

(۲) المغنی:1/543۔

(۳) الحاوی الکبیر:1/58، مغنی المحتاج:1/80۔

(۴) بدائع الصنائع:1/199-200۔

(۵) الدر المختار مع الرد:1/361، کتاب الطہارۃ، باب المیاہ۔

تیسرا قول یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے اعضاء خود ان کے حق میں، جن کے اعضاء ہیں، پاک ہیں، دوسروں کے حق میں ناپاک ہیں، (۱) دوسرے قول کے مطابق کہ اعضاء کٹنے کے بعد بھی پاک ہی رہتے ہیں، اعضاء کی پیوند کاری کو تداوی بالنجس (ناپاک چیز سے علاج کرنا) کہہ کر اسے ناجائز نہیں کہا جا سکتا ہے، پہلے قول کے مطابق بھی — جسے راجح قرار دیا گیا ہے — اعضاء کی پیوند کاری کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ فقہاء نے مضطر سے متعلق آیات اور حدیث عرفجہ وغیرہ کی وجہ سے ضرورت اور مجبوری کے وقت تداوی بالنجس کو جائز قرار دیا ہے :

> يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ، ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه ، وإن قال الطبيب : يتعجل شفائك ، فيه وجهان ـ (۲)

2- انسانی جسم انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، وہ اس کا مالک نہیں؛ بلکہ امین ہے؛ لیکن یقیناً امین ہونے سے مراد فقہ کی اصطلاح والا امین نہیں ہے؛ کیوں کہ اسے مال امانت میں کسی طرح کے تصرف کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی ہے اور انسانوں کے ساتھ اس کے جسم کے تعلق سے ایسا معاملہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض تصرف کی اسے اجازت ہے اور بعض کی ممانعت ہے؛ چنانچہ انسان کو اس بات کی اجازت ہے کہ ہاتھوں سے کام کرے، پاؤں سے چلے، کان سے سنے اور دوسرے اعضاء کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کرے؛ چنانچہ احکام شرعیہ کی روشنی میں جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ امین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنے جسم میں ایسے تصرف کا اختیار نہیں ہے، جو اس کے لئے موت تک پہنچانے والا اور جان لیوا ہو؛ چنانچہ خودکشی حرام ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ''(نساء:29) موجب ہلاکت عمل حرام ہے: ''وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ''(بقرۃ:195) غیر مضر تصرف — جیسا کہ ذکر کیا گیا — ممنوع نہیں ہے، یہ تو عمومی احوال کا حکم ہے، خصوصی احوال کے سلسلے میں ہمیں اس حدیث سے روشنی ملتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال یا مال کی حفاظت کی خاطر مزاحمت کرے اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ شہید ہے :

> مَنْ قُتِل دُونَ مالِهِ فهُو شَهيدٌ ، ومنْ قُتلَ دُونَ دمِهِ فهُو شهيدٌ ، وَمَنْ قُتِل دُونَ دِينِهِ فَهو شهيدٌ ، ومنْ قُتِل دُونَ أَهْلِهِ فهُو شهيدٌ ـ (۳)

(۱) الدر المختار مع الرد:1/ 361، کتاب الطہارۃ، باب المیاہ۔

(۲) الکفایۃ علی ہامش فتح القدیر:8/ 501۔

(۳) سنن ترمذی: ابواب الدیات، حدیث نمبر:1421۔

باوجودیکہ اس شخص نے ایسا کام کیا، جو موجب ہلاکت ثابت ہوا، مگر اسے ممنوع نہیں؛ بلکہ محمود قرار دیا گیا ہے۔

شریعت کے ان جیسے احکام کو پیش نظر رکھتے ہوئے غور کیا جائے کہ سخت ضرورت کے وقت انسان کے ایسے عضو کی منتقلی کے ذریعے دوسرے کی جان بچالینا، جس کی منتقلی موجب ہلاکت یا سخت ضرر کا باعث نہ ہو، کیا شرعاً تصرف غیر محمود ہے؟ آگ میں جھلستے ہوئے شخص کو اپنا ایک ہاتھ ضائع کر کے بچانا ممکن ہو، تو کیا اسے بچایا جائے گا یا جھلستا چھوڑ دیا جائے گا؟ الغرض عام حالت میں معمولی مضر تصرف کی بھی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن خصوصی احوال میں شریعت نے کچھ؛ بلکہ بہت حد تک معاملے میں نرمی رکھی ہے۔

3- تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ظاہری و معنوی ہر اعتبار سے دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے؛ چنانچہ اسے سب سے اچھے سانچے میں ڈھالا ہے، (التین:4) اور اسے شرافت و کرامت سے سرفراز فرمایا ہے: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ'' (الاسراء:70) چنانچہ یہ بات یقیناً انسانی شرافت و کرامت کے منافی ہے کہ جس طرح دوسری اشیاء اور مخلوقات سے انسان کو استفادے کی اجازت دی گئی ہے، اسی طرح اس کے اعضاء سے بھی انتفاع کیا جائے اور اس کے اجزاء کو استعمال کیا جائے: لہٰذا فقہاء نے اسی طرح کی آیات و احادیث کی روشنی میں انسانی اعضاء اور اس کے اجزاء سے انتفاع کو حرام قرار دیا ہے:

الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز ؛ لنجاسته ، وقيل للكرامة ، و هو الصحيح ۔ (۱)

یہ عمومی حکم ہے؛ البتہ اس میں بھی مستثنیات ہیں؛ چنانچہ بچے کی زندگی کے تحفظ کے لئے عورت کا دُودھ —— جو کہ اس کا جز ہے —— کو پلانا درست ہے، نکاح کے ذریعے عورت و مرد کو ایک دوسرے کے اعضاء سے نہ صرف انتفاع کی اجازت دی گئی ہے؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے؛ کیوں کہ نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے یہ ایک ضرورت ہے، ان جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت میں تو انسانی اعضاء و اجزاء سے انتفاع درست نہیں ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے الضرورات تبیح المحظورات کے قاعدے کے مطابق شرعاً اس کی اجازت ہے، اور ایسے موقع پر کرامت کے پہلو پر ضرورت کو ترجیح حاصل ہوگی اور خاص طور سے جب حفظ جان کا مسئلہ ہو تو اس کے لئے دوسرے انسان کی تکریم کو یقینی طور پر نظر انداز کر دیا جائے گا؛ چنانچہ علامہ سمرقندی رقمطراز ہیں:

لو أن حاملا ماتت ، و في بطنه ولد يضطرب ، فإن كان غالب الظن

(۱) المبسوط:15/125، نیز دیکھئے: منحۃ الخالق علی البحر الرائق:1/180، کتاب الطہارۃ۔

أنه ولد حيا ، وهو في مدة يعيش غالبا ، فإنه يشق بطنها ؛ لأن فيها إحياء الآدمي ، فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت ۔ (۱)

الحاصل اصل تو کرامت کی وجہ سے اعضاء واجزاء انسانی سے انتفاع کا ناجائز ہونا ہے؛ البتہ ضرورت کی وجہ سے اور خاص کر انسانی جان کی بقا کے لئے غیر مضر انتفاع کی گنجائش ہے؛ چنانچہ فقہی قاعدہ ہے: ''یختار أھون الشرین''لہٰذا کرامت کو بنیاد بنا کر اعضاء کی پیوندکاری کے عدم جواز کی بات درست نہیں معلوم ہوتی ہے۔

4- چوتھی بات یہ ہے کہ حرام کا وسیلہ اور اس تک پہنچانے کا ذریعہ بھی حرام ہوتا ہے؛ چنانچہ اجنبیہ سے جنسی تعلق حرام ہے، تو اس کی طرف دیکھنا، اسے چھونا اور اس سے بوس وکنار بھی ممنوع ہے؛ کیوں کہ یہ سب اس کے وسیلے ہیں۔

یہ اندیشہ کیا جاتا ہے؛ بلکہ اطلاعات کے مطابق یہ ہو بھی رہا ہے کہ پیوندکاری کے لئے اعضاء کی فراہمی کی خاطر بس خدا ناترس افراد اور سماج دشمن عناصر انسانی جان تک لے لیتے ہیں؛ تاکہ اس کے اعضاء فروخت کر کے دنیا کے حقیر ٹکے حاصل کرلیں، سوال یہ ہے کہ کیا اعضاء کی پیوندکاری کا جواز اس کے لئے ایسا سبب ہے جو سد ذریعہ کے تحت آتا ہو؟

ذرائع کے احکام

حکم کے اعتبار سے ذرائع کے چار درجات کیے گئے ہیں :

1- جو یقینی طور پر کسی خرابی کا ذریعہ بنتا ہو جیسے کسی کے دروازے پر یا عمومی راستے میں کنواں کھودنا۔

2- جو شاذ و نادر مفسدہ اور خرابی کا ذریعہ بنتا ہو، جیسے ایسی جگہ کنواں کھودنا، جو شاہراہ عام نہ ہو۔

3- جن کے مفسدہ کا ذریعہ بننے کا غالب گمان ہو، جیسے زمانہ جنگ میں اسلحہ فروخت کرنا۔

4- جو مفسدہ اور خرابی کا بکثرت ذریعہ بنتے ہوں؛ لیکن نہ اتنا زیادہ کے اکثر بنے اور نہ اتنا کم کہ کبھی کبھی بنے۔(۲)

ظاہر ہے کہ اعضاء کی پیوندکاری کا جواز انسانی قتل کے لئے زیادہ سے زیادہ ذریعہ کے چوتھے درجے کے تحت آئے گا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ اس کے غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں، یعنی یہ ممنوع نہیں ہے؛ (۳) لہٰذا اعضاء کی پیوندکاری کے ناجائز ہونے کی یہ بھی وجہ نہیں بن سکتی ہے۔

---

(۱) تحفۃ الفقہاء:3/342۔ (۲) الموافقات للشاطبی:2/242۔ (۳) أصول الفقہ الاسلامی:2/186۔

خلاصۂ بحث

اس پوری تحقیق کے بعد یہ حقیر جس نتیجے پر پہنچا ہے، وہ یہ ہے :

(الف) جمادات ونباتات سے بنے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری کی جائے۔

(ب) اگر جمادات ونباتات سے علاج ممکن نہ ہوتو حیوانات کے اعضاء سے پیوندکاری کی جائے۔

(ج) اگر حیوان کے اجزاء سے بھی علاج ممکن نہ ہوتو آخری درجے میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی درج ذیل شرائط کے ساتھ گنجائش ہے :

1- ماہر اطباء نے یہ بتادیا کہ علاج کی بس یہی صورت رہ گئی ہے؛ تاکہ ضرورت کا تحقق ہوجائے۔

2- عضو دینے والا اگر زندہ ہو، تو اس نے اس کی اجازت دی ہو؛ اس لئے کہ قاعدہ ہے: ''الاضطرار لا یبطل حق الغیر''۔

3- ایسا عضو یا جز لیا جائے، جس کا لینا اس کے دینے والے کے لئے مہلک یا ضرر شدید کا باعث نہ ہو اور نہ ہی اس سے تغییر خلق اللہ لازم آئے، جیسے گردہ، رگ، چمڑا، گوشت وغیرہ لئے جاسکتے ہیں، دل آنکھ غیرہ نہیں؛ اس لئے کہ ایک ضرر کو دوسرے مساوی ضرر سے دور نہیں کیا جائے گا: ''إن الضرر لا یزال بمثله ولا بما هو أشد منه''۔

4- اگر عضو مردہ کا لیا جائے تو شرط ہے کہ اس نے زندگی میں اس کی اجازت دی ہو، یا مرنے کے بعد اس کے وارثین اجازت دیں؛ اس لئے کہ اضطرار کی وجہ سے بھی دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا ہے؛ البتہ مردہ کے دل، آنکھ غیرہ کو بھی لیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ ہلکے ضرر کا بڑے ضرر کو دُور کرنے کے لئے تحمل کیا جاسکتا ہے۔

فقہ اکیڈمی جدہ، فقہ اکیڈمی انڈیا نے بھی علماء کی ایک بڑی تعداد کے اتفاق کے ساتھ اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے جواز کا فیصلہ کیا ہے۔

(د) ضرورت کے وقت اعضاء کی خریداری کی گنجائش ہے، جب اس کے فراہمی کی دوسری صورت نہ ہو؛ البتہ اسے فروخت کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایسی اشیاء جن سے ضرورتاً انتفاع درست ہو، اس سلسلے میں حنفیہ کا اُصول یہی ہے کہ اس کو سخت حاجت کے وقت خریدا جاسکتا ہے، فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب، وعلمه أتم وأحكم.

• • •

زکوٰۃ وصدقۂ فطر — فضائل ومسائل

مولانا شاہد علی قاسمی ☆

زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں تیسرا رکن ہے، قرآن مجید میں بیس مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے، مجموعی طور سے ۳۲ مقامات پر زکوٰۃ کی صراحت اور ۱۵ مقامات پر صدقہ کا ذکر ہے، اس سے زکوٰۃ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی رضاء کے لئے زکوٰۃ دینا برکت واضافہ کا باعث ہے :

وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاْ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَ مَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۔ (۱)

زکوٰۃ کی ادائیگی سے کتنا اجروثواب متعلق ہے! اس کا اندازہ اس آیت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال اس بوئے ہوئے دانے کی ہے جس میں سات بالیاں نکل آئیں اور ہر بالی میں ایک سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں دوچند کردیتے ہیں اور وہ وسعت والے اور علم والے ہیں ۔ (۲)

گویا دل کے جذبے اور اخلاص کی گہرائی سے دی ہوئی زکوٰۃ سات سو گونہ اجر سے بھی زیادہ کی موجب ہے، اس کے مقابلہ میں جو لوگ زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں ان کے بُرے انجام کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا :

یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَ جُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۔ (۳)

☆ استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

(۱) الروم:۳۹۔ (۲) البقرۃ:۲۶۱۔

(۳) التوبۃ:۳۵۔

جس دن سونا چاندی دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھراس سے پیشانیاں، پہلو
اور پشت داغے جائیں گے (اور کہا جائے گا کہ) یہی مال ہے جوتم نے اپنے لئے جمع
کیا تھا، اب اس مال کا مزہ چکھو۔

کہیں فرمایا گیا کہ اس مال کا طوق عذاب بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا، (۱) اسی طرح حدیث رسول میں ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو وہ زہریلے سانپ کی صورت اختیار کر کے گلے کا طوق بن جائے گا اور ڈستا رہے گا، (۲) ایک اور موقع سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن جانوروں کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہوگی وہ اس کے جسم کو روندیں گے، (۳) ایک مرتبہ دو خواتین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ایک کے ہاتھ میں سونے کا کنگن تھا، آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کیا اس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی؟ خاتون نے نفی میں جواب دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ آگ کے کنگن تم کو پہنائے جائیں؟ اور پھر زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی، (۴) زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں کیا نقصان ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں ایک مفصل حدیث پیش کی جاتی ہے، جو بڑی رقت انگیز اور عبرت خیز ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

اے جماعت مہاجرین! پانچ گناہ ایسے ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہوگے (تو مصیبتوں میں پڑو گے) اور میں اس بات سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان گناہوں میں مبتلا ہو، جس قوم میں کھلے عام بدکاریاں ہونے لگیں، ان میں طاعون اور ایسی تکلیف دہ بیماریاں پیدا ہوں گی جو پہلے کے لوگوں کو نہیں ہوئی ہوں گی، ناپ تول میں کمی کریں گے تو قحط، تنگی اور حکمرانوں کا جور وظلم لوگوں پر بڑھ جائے گا، جو زکوٰۃ ادا نہ کریں گے تو بارش سے محروم کردیئے جائیں گے اور (اس بستی میں) جانور نہ ہوں تو شاید ان پر بالکل بارش نہ ہو، خدا اور رسول کے پیمان کو توڑیں گے تو دشمنوں کو جو کفار ہوں گے ان پر مسلط کردے گا اور وہ ان کے قبضہ سے بعض چیزیں چھین لیں گے اور مسلمانوں کے جو حکمراں قرآن مجید کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے اور احکام الٰہی کو ترجیح نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی قوت کو باہم ہی ٹکرادیں گے۔ (۵)

---

(۱) آل عمران: ۱۸۰۔ (۲) بخاری، باب اثم مانع الزکوٰۃ۔

(۳) بخاری، باب اثم مانع الزکوٰۃ۔ (۴) دیکھئے: سنن ترمذی: ۱/۱۳۸، باب ما جاء فی زکوٰۃ الحلی۔

(۵) ابن ماجہ: ۲/۲۹۰، عن ابن عمرؓ، باب العقوبات۔

غور کیا جائے کہ آج یہ حدیث رسول کس طرح حرف بہ حرف صادق ہے کہ حکمرانوں کا ظلم وجور، مسلمانوں پر دشمنوں کا غلبہ، مسلمانوں کا آپس میں ٹکراؤ، نئے نئے امراض کا وجود، یہ ساری ایسی حقیقتیں ہیں جو دو پہر کی دھوپ کی طرح سامنے ہیں، اس لئے زکوٰۃ — جو اللہ کا اپنے بندوں پر محکم فریضہ اور اسلام کا تیسرا رکن ہے — کی ادائیگی میں کوتاہی نہ صرف یہ کہ آخرت میں تباہی کا باعث ہوگی؛ بلکہ دنیوی نقصانات بھی اس سے متعلق ہیں، اب ذیل میں زکوٰۃ سے متعلق چند اہم مسائل پیش کئے جاتے ہیں :

۱- زکوٰۃ مالداروں پر فرض ہے، تنگدستوں پر نہیں، شریعت کی نگاہ میں صاحبِ نصاب لوگ مالدار ہیں، صاحبِ نصاب وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد ۶۱۲ء۳۵ گرام چاندی یا اس کی ملکیت کے بقدر روپیہ ہو، یا ۸۷ء۴۷۹ گرام سونا یا سامان تجارت ہو جس کی مالیت چاندی کے نصاب کے بقدر ہو، یا موجودہ کرنسیاں ہوں جو چاندی کے نصاب کے بقدر ہو، حاجتِ اصلیہ میں رہائشی مکانات، استعمالی کپڑے، گھریلو سامان، سواری کے جانور، حفاظت کے ہتھیار، زیبائش وآرائش کے سامان کھانے پینے کے اخراجات، اسی طرح علاج ومعالجہ کے خرچے، اگر کرایہ کے مکان میں رہائش ہو تو مکان کرایہ، یہ سب ضروریات زندگی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں، ان سب ضروری اخراجات سے بچی ہوئی رقم جب نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گذر جائے تو ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالنا فرض ہوجاتا ہے۔(۱)

۲- اگر ایک سال مکمل ہونے پر مالدار نے زکوٰۃ نکالی، پھر دوسرا مال مکمل ہونے سے پہلے ہی اسی جنس کا مال اس کی ملکیت میں آ گیا، تو اب اضافہ شدہ مال پر الگ سے سال گذرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، بلکہ پہلے مال پر دوسرا سال مکمل ہوتے ہی مکمل مال کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، گو کہ اضافہ شدہ مال چند روز پہلے ہی ملکیت میں آیا ہو۔

۳- لاکھوں کا مکان جو کرایہ پر لگا ہو، آلات ومشنریز جو خطیر رقم سے حاصل کی گئی ہوں اور ان میں تجارت کے بجائے کرایہ پر لگا کر یا مصنوعات تیار کرکے یا کسی اور طریقہ سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہو تو ان مکانات، آلات اور مشنریز کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے؛ البتہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ ہے۔

۴- اگر خریدار نے سامانِ تجارت خرید کر سامان پر قبضہ نہیں کیا؛ البتہ اس کی قیمت ادا کردی تو اس ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ فروخت کنندہ پر واجب ہوگی۔(۲)

---

(۱) دیکھئے: ہندیہ: ۱/۱۷۲۔

(۲) دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۵۶۔

۵- کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان ودوکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم (Security Deporit) پر زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہے، مالک مکان پر واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں گو اختلاف ہے، تاہم اکثر علماء ہند کی رائے ہے کہ مالک مکان پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۶- پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے، اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہوجائے اور بقدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تب اس کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔(۱)

۷- بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کرا کر پی ایف (P.F) جمع کراتے ہیں، یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے تو سال بہ سال زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی، اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے اور مال ودیعت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔(۲)

۸- فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کرسکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلاتِ صنعت وحرفت زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر بہ طور ملکیت دے دیئے جائیں یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دکان اسے مالکانہ طور پر زکوٰۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا درست ہے، اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

۹- اگر کسی کا قرض باقی ہو تو اس کو منہا کرکے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؛(۳) البتہ بیوی کا مہر جو شوہر کے ذمہ واجب ہو اور قریبی مدت میں اس کی ادائیگی کا ارادہ نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

۱۰- صنعتی اور ترقیاتی قرضے جو سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے حاصل کئے جاتے ہیں اور انھیں طویل مدت یعنی دس بارہ سال میں ادا کرنا ہوتا ہے، اس میں اُصول یہ ہے کہ ہر سال قرض کی جتنی قسط ادا کرنی ہے، اس سال اتنی رقم منہا کرکے زکوٰۃ کا حساب کیا جائے گا، نہ کہ پورے قرض کا۔(۴)

۱۱- سونا اور چاندی کے زیورات بھی اموالِ زکوٰۃ میں سے ہیں، حنفیہ کے نزدیک ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(۵)

---

(۱) نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۶۱۔ (۲) نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۶۱۔

(۳) ردالمحتار: ۲/۲۰۶۔ (۴) کتاب الفتاویٰ: ۳/۲۶۰، از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۵) حلیۃ العلماء: ۳/۹۲۔

۱۲- ایک مستحق زکوٰۃ کواتنی زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا جونصاب سے زیادہ ہومکروہ ہے، اگر کوئی دے ہی تو زکوٰۃ کراہت کے ساتھ ادا ہوجائے گی؛ البتہ اگر مستحق زکوٰۃ مقروض ہو، یا اس کا کنبہ بڑا ہو کہ کنبہ کے تمام افراد پر زکوٰۃ کی رقم تقسیم کی جائے تو فی کس مقدار نصاب سے رقم کم پڑتی ہو تو پھر ایک شخص کو نصاب سے زیادہ رقم دینے میں حرج نہیں ہے۔(۱)

۱۳- اگر کوئی حج فرض کے لئے مناسب رقم محفوظ کرلے اور وہ صاحبِ نصاب ہو اور اس رقم پر سال بھی گذر جائے تو اس محفوظ رقم کی زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ سفر حج کے کرایہ اور مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران ہونے والے لازمی اخراجات اس کی حاجتِ اصلیہ یعنی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، اس سے زائد جو رقم حاجی اپنے طور پر سفر حج میں خرچ کرتا ہے، وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں، اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔(۲)

۱۴- اگر سونا یا چاندی کا زیور یا کوئی اور مالِ زکوٰۃ رہن پر رکھ دیا گیا ہو تو اس کی زکوٰۃ نہ تو رہن رکھنے والے اور نہ رہن لینے والے پر واجب ہے۔(۳)

۱۵- اگر کسی نے اپنی رقم لائف انشورنس یا بینک میں فکس ڈپازٹ کردی ہو اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو جمع کردہ اصل رقم کی زکوٰۃ سال بہ سال نکالنی پڑے گی اور آئندہ جب بھی اسے لائف انشورنس یا فکس ڈپازٹ کی رقم سود کے ساتھ ملے، پھر بھی اپنی اصل رقم ہی کو زکوٰۃ نکالے، اضافی رقم واجب التصدق ہے؛ کیوں کہ فکس ڈپازٹ کھلا ہوا سودی معاملہ اور انشورنس سود اور جوا سے مرکب ہے، اس لئے ایک مسلمان کے لئے لائف انشورنس کرانا یا فکس ڈپازٹ کرانا ہی ناجائز ہے؛ لہٰذا جب بھی اضافی رقم ملے گی، وہ واجب التصدق ہوگی۔

۱۶- مشہور ہے کہ چاندی کا نصاب ۵۲=۱/۲ تولہ اور سونا کا نصاب ۷=۱/۲ تولہ ہے؛ لیکن یہ اس تولہ کے اعتبار سے ہے جو ۶۶ء۱۱ (۲/۳=۱۱) گرام کا ہوتا تھا، اب تولہ کا وزن گھٹ کر فی تولہ دس گرام ہوگیا ہے، اس لئے اب سونے کا نصاب پونے نو (۳/۴=۸) تولہ اور چاندی کا نصاب تقریباً سوا اکسٹھ (۲۳ء۶۱) تولہ ہے اور موجودہ اوزان میں سونے کا نصاب ۴۷۹ء۸۷ گرام اور چاندی کا نصاب ۳۵ء۶۱۲ گرام ہے۔

۱۷- اگر کسی کے پاس تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہو، یعنی کوئی نصاب کے برابر نہ ہو، تو اگر سونا اور چاندی دونوں کی قیمت چاندی کے نصاب کے بقدر ہوجائے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔(۴)

---

(۱) ردالمحتار: ۳/۳۰۲۔ (۲) ردالمحتار: ۳/۱۸۹۔

(۳) ردالمحتار: ۳/۱۸۰۔ (۴) ہدایہ مع الفتح: ۲/۱۶۹۔

۱۸- قرآن مجید میں زکوٰۃ کا ایک اہم مصرف ''فی سبیل اللہ'' کوقرار دیا گیا ہے،اس کی مراداور تعیین میں کافی اختلاف ہے،حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو اپنے فقر کی وجہ سے سفر جہاد سے معذور ہوں،(۱) اور حنفیہ میں امام محمدؒ نے اس کا مصداق اس شخص کو بھی قرار دیا ہے جس پر پہلے حج فرض ہو چکا ہو اور اب وہ حج کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو،(۲) علامہ شامیؒ کا رجحان ہے کہ طلبۂ دینی مدارس بھی فی سبیل اللہ کے مصداق ہیں۔(۳)

۱۹- عام رفاہی کاموں جیسے مساجد، پلوں، مسافر خانوں، سڑکوں وغیرہ کی تعمیر، تجہیز وتکفین، وغیرہ میں زکوٰۃ کا مال خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے،اس پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے۔(۴)

یہ چند منتخب زکوٰۃ کے مسائل ہیں، اخیر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام فرائض کی صحیح صحیح ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

صدقۂ فطر

اسلام میں دو دن عید کے ہیں، ایک: عید الفطر، دوسرے: عید الاضحیٰ، پہلی عید رمضان کے روزوں پر مسرت کا اظہار ہے، اور دوسری عید سیدنا حضرت ابرہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی وفدا کاری کی یادگار ہے؛ لیکن مسلمانوں کی خوشی اس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک کہ اس کے پڑوس میں رہنے والے لوگوں کے یہاں بھی خوشی کا چراغ نہ جلے، اس لئے اسلام نے عید الفطر کے موقع پر صدقۃ الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی رکھا؛ تاکہ غریب سے غریب لوگ بھی خوشی میں شریک رہیں اور صدقۃ الفطر کے ذریعہ اپنا چولہا سیدھا رکھ سکیں اور قربانی کے گوشت کے ذریعہ گوشت خوری کا لطف بھی اُٹھائیں۔

صدقۃ الفطر کا وجوب

صدقۃ الفطر مالدار پر واجب ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسافر ہو یا مقیم، بالغ ہو یا نابالغ عقل مند ہو یا مجنون،(۵) مالدار سے مراد ایسا شخص ہے جو بنیادی ضروریات زندگی یعنی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے کھانے پینے، رہائش دوا وعلاج اور سواری وغیرہ کے اخراجات کے علاوہ ۶۱۲ء۳۵ گرام چاندی اور ۸۷ء۴۷۹ گرام سونا یا چاندی کے نصاب کی مالیت کے بقدر روپیہ، یا سامان تجارت یا ضرورت سے زائد کوئی بھی سامان جیسے زائد برتن، زائد گھر، زائد سواری وغیرہ، جس کی مالیت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوجاتا ہے۔(۶)

(۱) ردالمحتار: ۶۱/۲۔
(۲) البحرالرائق: ۲۴۲/۲۔
(۳) ردالمحتار: ۶۱/۲۔
(۴) دیکھئے: المغنی ۲۸۰/۲، درمختار علی ہامش الرد: ۶۲/۲۔
(۵) فتاویٰ عالمگیری: ۱۹۸/۱۔
(۶) دیکھئے: البحرالرائق: ۵۲/۲۔

● صدقۃ الفطر کا وجوب صرف بالغوں سے متعلق نہیں ہے، نابالغ اگر مالدار ہو یا کوئی مجنون مالدار ہو تو ان پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے، ولی کی ذمہ داری ہے کہ نابالغ اور مجنون کی طرف سے ان ہی کے مال سے صدقۃ الفطر نکالے۔(۱)

● صدقۃ الفطر واجب ہونے کا وقت عید الفطر کا طلوع صبح صادق ہے، یعنی جو شخص عید الفطر کی صبح صادق کے وقت مالدار ہو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے؛ لہٰذا اگر کوئی طلوع صبح صادق سے پہلے مرجائے یا مالدار غریب ہوجائے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا اور اس کے برعکس اگر طلوع صبح صادق کے وقت یا اس سے پہلے بچہ پیدا ہوجائے، یا فقیر مالدار ہوجائے یا مالدار بعد میں غریب ہوجائے یا بچہ مرجائے تو صدقۃ الفطر ساقط نہیں ہوگا۔(۲)

● مالدار صدقۃ الفطر اپنا تو نکالے گا ہی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی نکالے گا جو اس کے زیر پرورش ہو اور اس پر مکمل ولایت ہو، جیسے نابالغ محتاج بچے اور بچیاں، محتاج مجنون اور خفیف العقل، خواہ یہ دونوں بالغ ہو چکے ہوں؛ البتہ صحیح العقل اولاد جو بالغ ہوں ان کا صدقہ نکالنا باپ پر واجب نہیں؛ کیوں کہ بالغ بچوں پر باپ کو مکمل ولایت نہیں ہوتی ہے، اسی طرح بیوی کا صدقہ نکالنا شوہر پر واجب نہیں ہے، نیز بہو کا صدقہ خسر پر نہیں ہے؛(۳) البتہ اگر شوہر بیوی کو اور خسر بہو کو مطلع کر کے صدقہ نکال دے تو صدقہ ادا ہوجائے گا۔

● اگر نابالغ بھائی اپنے بڑے بھائی کے زیر پرورش ہو، تو اگر نابالغ بھائی محتاج ہو تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے، خواہ بڑا بھائی مالدار ہو اور وہ اپنا صدقہ نکالتا ہو، اور اگر نابالغ بھائی مالدار ہو تو اس پر صدقہ نکالنا واجب ہے، بڑے بھائی کو چاہئے کہ وہ نابالغ بھائی کی طرف سے اسی کے مال سے صدقہ نکالے۔

● اگر والدین مالدار ہوں تو وہ اپنا صدقۃ الفطر خود نکالیں؛ لیکن اگر وہ محتاج ہوں اور اولاد کے زیر پرورش ہوں اور اولاد مالدار ہو پھر بھی اولاد پر والدین کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ اولاد کو والدین پر کامل ولایت نہیں ہے، تاہم اگر اولاد والدین کی طرف سے بھی ادا کردیں تو یہ سعادت کی بات ہے اور صدقہ ادا ہوجائے گا، اس سلسلہ میں والدین کو مطلع کرنا بھی ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ والدین اولاد کے زیر کفالت ہوں، اگر والدین اولاد کے زیر کفالت نہ ہوں تو پھر ان کی اجازت ضروری ہے۔(۴)

● صدقۂ فطر نکالنے کا مستحب وقت عید الفطر کی صبح صادق کے بعد سے نماز عید کے لئے نکلنے تک ہے،(۵) تاہم اگر کوئی عید سے چند پہلے ہی صدقہ نکالنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے؛ بلکہ حنفیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق رمضان سے پہلے بھی صدقۃ الفطر نکالنا درست ہے۔

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۱۹۸۔ (۲) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۲/ ۷۴۔

(۳) دیکھئے: درمختار: ۲/ ۷۴-۷۵۔ (۴) فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۹۹۔ (۵) بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۴/ ۱۰۶۔

● اگر کوئی عید کے دن بھی صدقہ نہ نکالے، تو صدقہ معاف نہیں ہوتا ہے، وہ آئندہ کبھی بھی نکال سکتا ہے، خواہ کئی سال گذر جائے؛ البتہ بہتر ہے کہ جتنا جلد ہو نکال دے، اگر بعد میں فقیر بھی ہو جائے، پھر بھی گذشتہ سالوں کا واجب صدقہ وجوب کی حیثیت سے باقی ہی رہے گا۔(۱)

صدقۂ فطر لینے کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ لینے کے مستحق ہوں، اگر غیر مستحق زکوٰۃ کو صدقہ دیا جائے تو صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا، علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں: ''صدقة الفطر كالزكاة في المصارف''(۲) اس لئے کسی مالدار یا اپنے باپ، یا بیٹا، یا بیوی یا سید کو صدقہ دینا درست نہیں ہے، اسی طرح غیر مسلم ہندو عیسائی، یہودی، بدھسٹ وغیرہ کو صدقۂ فطر دینا درست نہیں ہے۔

● محتاج نابالغ بچہ کو صدقۂ فطر دینا درست ہے، اگر وہ سن شعور کو پہنچ چکا ہے تو اس کا خود قبضہ کر لینا کافی ہے اور اگر سن شعور کو نہیں پہنچا ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے صدقہ پر قبضہ کرے۔(۳)

ایک صدقۃ الفطر ایک ہی مسکین کو دینا بہتر ہے، اگر ایک صدقہ ایک سے زائد مساکین کو دیا جائے تو یہ بہتر نہیں ہے، پھر بھی صدقہ ادا ہو جائے گا، اور اگر دو یا دو سے زائد صدقہ ایک ہی مسکین کو دیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔(۴)

● صدقۂ فطر کی رقم سے مساجد اور مدرسوں کی تعمیر درست نہیں ہے، اسی طرح رفاہی کام جیسے ہاسپٹل بنانا، پل بنانا، مسافر خانہ بنانا وغیرہ بھی صدقہ کی رقم سے جائز نہیں ہے۔(۵)

● اگر کوئی مالدار صدقۂ فطر نکالا نہ ہو اور اب مرنے کے قریب ہو تو اس کو چاہئے کہ صدقہ نکالنے کی وصیت کر جائے، ایسی صورت میں وارثین پر واجب ہوگا کہ تقسیم ترکہ سے پہلے وصیت نافذ کرتے ہوئے میت کے ذمہ واجب الاداء صدقات کو نکالے؛ البتہ اگر صدقات کی مقدار تہائی ترکہ سے زیادہ ہو رہی ہے تو وارثین کو حق ہے کہ تہائی ترکہ تک وصیت نافذ کرے اور باقی مال وارثین اپنے درمیان تقسیم کر لیں، تاہم اگر بالغ وارثین اپنی رضامندی سے تمام واجب فی الذمہ صدقات کو ادا کر دیں تو بہتر ہے، اگر میت نے مرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کی وصیت نہیں کی تو وارثین پر میت کی طرف سے صدقات نکالنا واجب نہیں؛ البتہ وارثین خود سے میت کی جانب سے نکال لیں تو بہت بہتر ہے، تاہم یہ لازم نہیں ہے۔(۶)

---

(۱) دیکھئے: ہدایہ: ۲۱۱/۱۔
(۲) درمختار علی ہامش الرد: ۳۶۹/۲۔
(۳) البحر الرائق: ۳۴۴/۲۔
(۴) جامع الرموز: ۱۵۱/۱۔
(۵) دیکھئے: فتاویٰ عالمگیری: ۹۷/۱۔
(۶) دیکھئے: ردالمحتار: ۳۵۹/۲۔

● صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو، یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر ہے، یہ پانچوں چیزیں اوران کی مقدار احادیث میں صراحت کے ساتھ آتی ہیں، اس لئے اگر کوئی گیہوں دینا چاہے تو نصف صاع واجب ہوگا، باقی چار میں سے کسی کو صدقہ میں نکالنا چاہے تو ایک صاع نکالنا پڑے گا، اگر کوئی ان پانچ کے علاوہ دوسرے اناج یا روپیہ میں صدقہ نکالنا چاہے تو اس بات کی اجازت ہے کہ نصف صاع گیہوں کی قیمت کو معیار بنائے، یعنی نصف صاع گیہوں کی قیمت میں جتنا روپیہ بنتا ہو یا جتنا دوسرا اناج بنتا ہو، وہ ادا کردے تو صدقہ کی ادائیگی ہوجائے گی۔(۱)

● نصف صاع کا وزن موجودہ اوزان میں ۱رکیلو ۵۹۰ گرام (۱ء۵۹۰) ہوتا ہے، اور ایک صاع کا وزن نصف صاع کا دوگونہ یعنی ۳رکیلو ایک سو اَسّی (۳ء۱۸۰) گرام ہوتا ہے، یہی رائے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ہے اوراسی پر عمل ہے۔

● جس کی جانب سے صدقۂ فطر نکالنا ہو، وہ جہاں اور جس شہر میں ہو، وہیں صدقہ دینا بہتر ہے، اگر ایک شخص خوددور ہو اور بال بچے گھر پر رہتے ہوں تو بچوں کا صدقہ وہاں ادا کرے جہاں وہ ہیں اور اپنا صدقہ وہاں کے فقراء پر صرف کرے جہاں وہ خود مقیم ہے؛ البتہ کوئی اپنے غریب رشتہ داروں — جو الگ شہر میں رہتے ہوں — کو صدقہ بھیج دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔(۲)

● اگر کوئی روپیہ میں صدقہ نکالنا چاہے تو جس شہر میں صدقہ نکالا جارہا ہو، وہاں نصف صاع گیہوں جو بازار کا ریٹ ہو اسی اعتبار سے صدقہ نکالا جائے گا۔

● ● ●

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۹۱۔ (۲) بدائع الصنائع: ۲/۷۵۔

وبائی صورتحال میں پیش آنے والے چند اہم مسائل

خالد سیف اللہ رحمانی

شریعت میں حلال وحرام، فرائض وواجبات اور ممنوعات ومکروہات کے احکام کا مقصد انسان کی تربیت، اہم تر مقصد کے لئے مشقت برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا اور خواہشات کی غلامی سے نکال کر اپنے مالکِ حقیقی کی بندگی میں داخل کرنا ہے؛ اس لئے بہت سی ایسی باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جن کو انجام دینا نفس پر شاق گزرتا ہے، جیسے: نیند کے غلبہ کے وقت فجر کی نماز، دھوپ کی شدت کے وقت نماز ظہر، روزہ رکھنے اور اس میں کھانے پینے سے رُکا رہنا، اپنی گاڑھی کمائی کا کچھ حصہ زکوٰۃ کے نام پر غریبوں کو دینا، غرض کہ شریعت میں جن کاموں کو انسان پر واجب قرار دیا گیا ہے، اس میں کچھ نہ کچھ مشقت موجود ہے، اسی طرح جو شخص شراب کا عادی ہو، اس کو شراب سے روک دینا اور بغیر کسی محنت کے سود کے ذریعہ پیسہ حاصل کرنے والے کو سود سے منع کر دینا بھی یقیناً ان پر گراں گزرتا ہوگا، یہی حال ان دوسری چیزوں کا بھی ہے، جن سے انسان کو منع کیا گیا ہے۔

لیکن اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ انسان کو ایسا حکم نہ دیا جائے، جو اس کی صلاحیت سے بڑھ کر ہو، نماز کلمۂ شہادت کے بعد اسلام کا اہم ترین رکن ہے؛ لیکن اس میں بھی اس کی پوری رعایت ہے، وضو کرنا چاہئے؛ لیکن پانی کا استعمال مضر ہو تو تیمم کر لے، قیام ہونا چاہئے؛ لیکن کھڑے ہونے میں تکلیف ہو تو بیٹھ کر نماز ادا کر لے، رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں؛ لیکن اگر بیمار ہو تو ابھی روزہ چھوڑ دے، بعد میں قضا کر لے، اور اگر دائم المریض ہو تو فدیہ ادا کر دے، وغیرہ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم انسان کو اسی بات کا حکم دیتے ہیں، جس کو انجام دینے کی اس کے اندر طاقت ہو: ''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (۱) اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جب تم کو کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک پورا کر سکو، اسے پورا کرو: ''**إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم**''۔(۲)

---

(۱) البقرۃ:۲۸۶۔

(۲) بخاری، حدیث نمبر:۸۸۔

اسی لئے صحت مند اور مریض، مال دار اور غریب، بینا اور نابینا، چلنے پر قادر اور چلنے سے عاجز اور مقیم اور مسافر کے درمیان بہت سے احکام میں فرق کیا گیا ہے، بحیثیت مجموعی اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حالت اختیار اور حالت مجبوری کے احکام میں فرق ہوسکتا ہے، مجبوری خواہ جسمانی ہو، جیسے: بیمار ہو یا بیمار پڑنے کا خطرہ ہو، یا مجبوری باہر سے پیش آنے والی ہو، جیسے: موسم کی ناہمواری، دشمن یا درندہ کا خوف وغیرہ، اسی طرح ایک مجبوری قانونی جہت سے بھی ہوتی ہے؛ کیوں کہ جب حکومت کسی چیز سے منع کر دیتی ہے، تو انسان اس سے رکنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اور چوں کہ ملک کے شہری ہونے کی حیثیت سے ہم نے قانون پر عمل کرنے کا عہد کیا ہے تو اگر اس پر عمل کرنا شرعاً واجب نہیں ہو اور اسے چھوڑا جاسکتا ہو، یا اس کی متبادل صورت اختیار کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں شرعاً بھی قانون کے تقاضوں پر عمل کرنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ یہ ایفاء عہد میں شامل ہے۔

اس وقت کورونا کی شکل میں جو وبائی مرض پھوٹ پڑا ہے، اس میں ایک تو حفظان صحت کے پہلو سے بعض اُمور کی رعایت ضروری ہے، اس پس منظر میں بعض دشواریاں پیدا ہوگئی ہیں، دوسرے: حکومت نے بھی کچھ احکام دیئے ہیں، قانونی نقطۂ نظر سے ان کی رعایت بھی ضروری ہے تو ان دشواریوں کا حل کیا ہے؟ ہمیں کس طرح شریعت کے حکم پر قائم رہتے ہوئے قانون اور حفظان صحت کے اصولوں کی رعایت کرنی چاہئے؟ اس سلسلہ میں چند ضروری مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے :

پنج وقتہ نماز کی جماعت

عاقل و بالغ اور صحت مند مردوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے دل میں آتا ہے کہ میں آگ جلواؤں، پھر اذان دی جائے، ایک شخص سے کہوں کہ وہ ان کی امامت کرے اور میں ان لوگوں کے یہاں جاؤں جو مسجد نہیں آئے اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں''(۱) نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ تنہا نماز کے مقابلہ جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا زیادہ ہے، (۲) ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ نماز میں جماعت کا کیا حکم ہے؟ اور ترجیح اس بات کو دی گئی ہے کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن اتنی اہم سنت ہے کہ اس کو بلا عذر چھوڑنا جائز نہیں: ''الجماعة سنة مؤكدة .... فلا يسع تركها إلا لعذر ''(۳) اور بلا عذر جماعت چھوڑنا باعث گناہ ہے، علماء عراق کے نزدیک تو ایک بار جماعت کا چھوڑ دینا بھی گناہ کا باعث ہے، اور فقہاء خراسان کے نزدیک اگر عادتاً ایسا کرے تب گناہ گار ہوگا: ''.... الخراسانيون على أنه يأثم إذا اعتاد الترك''۔(۴)

(۱) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۴۔ (۲) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۵۔
(۳) بدائع الصنائع: ۱/۱۵۵۔ (۴) ردالمحتار: ۱/۵۵۲۔

عام نمازوں کے لئے جماعت کی شرط یہ ہے کہ کم سے کم دو نمازی ہوں؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إثنان فما فوقهما جماعة''(۱) اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام کے علاوہ ایک مقتدی بھی ہو تو جماعت قائم ہو جائے گی: ''وأقل من تنعقد بهم الجماعة إثنان، وهو أن يكون مع الإمام واحد''(۲) معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں امام کے علاوہ کم سے کم ایک مقتدی بھی ہو تو جماعت ہو سکتی ہے، اسی پس منظر میں بھارت کے اربابِ افتاء نے کہا ہے کہ موجودہ حالات میں مسجد میں چار پانچ افراد سے جماعت کر لی جائے، یہ چوں کہ عذر کی وجہ سے جماعت سے غیر حاضر رہنا ہے؛ اس لئے اس میں ترک سنت کا گناہ نہیں ہوگا؛ بلکہ اگر وہ مسجد جانا چاہتا تھا اور عذر کی وجہ سے نہیں جا پایا تو علامہ شامیؒ کے بقول اس کو جماعت میں شرکت کا ثواب بھی ملے گا: ''إذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها وكانت نيته حضورها لولا العذر يحصل له ثوابها''۔(۳)

جو لوگ عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکے، ان کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ تنہا نماز ادا کر لی جائے، دوسری: یہ کہ گھر ہی پر گھر میں موجود لوگوں کے ساتھ جماعت کر لی جائے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر گھر میں گھر والوں کے ساتھ جماعت فرمائی ہے: ''جمع بأهله في منزله حين انصرف من صلح''(۴) لہٰذا تنہا ادا کرنا جائز ہے اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا بہتر ہے: ''لو فاتته الجماعة جمع بأهله في منزله .... وإن صلیٰ وحده جاز''۔(۵)

صفوں کے درمیان فاصلے

کورونا وائرس سے حفاظت کے لئے اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے قریب ہو کر رہنے سے بچیں اور فاصلہ قائم رکھیں، فاصلہ قائم رکھنے کا تعلق دو باتوں سے ہے: ایک یہ کہ اگلی صف اور پچھلی صف کے درمیان کتنا فاصلہ رہے دوسرے: ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے نمازیوں کے درمیان کس حد تک فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہے؟ تو اصل مطلوب طریقہ تو یہ ہے کہ دو صفوں کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہئے: ''الفرجة بين الصفين مقدار زراع أو زراعين''(۶) تاہم اگر کسی وجہ سے یہ فاصلہ بڑھ جائے؛ لیکن امام کی نقل وحرکت سے مقتدی واقف ہو سکتے ہوں، تب بھی اقتداء درست ہے، یہاں تک کہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں کہ اگر امام محراب میں ہو اور مقتدی مسجد کے آخری حصہ میں تب بھی نماز درست ہو جائے گی؛ اس لئے کہ مسجد کے اندر نماز

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۶۷۲۔ (۲) حاشیہ شلبی مع تبیین الحقائق: ۱/۱۳۲۔
(۳) رد المحتار: ۱/۵۵۴۔ (۴) محیط برہانی: ۱/۴۲۹۔
(۵) محیط برہانی: ۱/۴۲۹۔ (۶) طحطاوی: ۳۹۳۔

پڑھتے ہوئے چاہے نمازیوں کے درمیان یا امام اور مقتدی کے درمیان فاصلہ بڑھ جائے؛ لیکن پوری مسجد ایک ہی جگہ کے حکم میں ہے: ''ولو اقتدیٰ بالإمام فی أقصی المسجد والإمام فی المحراب جاز ؛ لأن المسجد علی تباعد أطرافه جعل فی الحکم کمکان واحد''(۱)—اس سے معلوم ہوا کہ اگر حفظان صحت کے لئے صفوں کے درمیان فاصلہ بڑھا دیا جائے جیسے عام طور پر جتنا فاصلہ رکھا جاتا ہے، اس سے دوہرا فاصلہ رکھا جائے تو اس کی گنجائش ہے اور جب یہ عذر کی بناء پر ہو تو اس میں کراہت بھی نہیں ہوگی۔

فاصلہ پیدا کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ہی صف میں جو لوگ کھڑے ہوئے ہیں، وہ ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہونے کے بجائے کچھ فاصلہ رکھ کر کھڑے ہوں، اس مین کوئی شبہ نہیں کہ آپ ﷺ نے نماز میں مل مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے اور دو نمازیوں کے درمیان بلا ضرورت فاصلہ رکھنے کو منع فرمایا ہے؛ لیکن موجودہ حالات میں صحت وزندگی کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے اگر جماعت میں شریک حضرات ایک ہی صف میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کھڑے ہوں؛ جیسا کہ طبی ماہرین کا مشورہ ہے تو اس کی بھی گنجائش نکلتی ہے؛ کیوں کہ جب پوری مسجد کو ایک جگہ مان لیا گیا تو جیسے دو صفوں کے درمیان فاصلہ گوارہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک صف میں کھڑے ہونے والوں کے درمیان بھی فاصلہ رکھنے کی گنجائش ہوگی، ویسے بھی صف میں اتصال کا حکم وجوب کے درجہ کا نہیں ہے، (۲) اس پر بعض فقہاء کے اجتہادات سے بھی روشنی پڑتی ہے، مشہور فقیہ قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ اگر کچھ لوگ صحراء میں نماز پڑھیں، صف کے بیچ میں حوض یا اس طرح کی کوئی اور چیز ہو، صف کا ایک حصہ حوض کے ایک طرف ہو اور دوسرا حصہ دوسری طرف، اور درمیانی حصہ میں کوئی نمازی نہیں ہو تو نماز درست ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ سب ایک ہی جگہ کے حکم میں ہے: ''قوم صلوا فی الصحراء بجماعة و وسط الصفوف موضع مقدار حوض أو فارقین لم یقم فیه أحد جازت صلاتهم''۔(۳)

غرض کہ افضل طریقہ تو یہی ہے کہ صفوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو اور کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہوں؛ لیکن اگر طبی ماہرین اس کو مضر قرار دیتے ہوں، یا کسی جگہ حکومت کی طرف سے فاصلہ رکھتے ہوئے نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہو تو وہاں ان گنجائشوں پر عمل کیا جا سکتا ہے، خواہ جماعت مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ، اور خواہ پنج وقتہ نمازوں کی جماعت ہو یا جمعہ کی۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۵۔

(۲) البنایہ: ۲/ ۳۵۴۔

(۳) فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۳۲۔

جمعہ کی نماز

جمعہ کی نماز کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے؛ اسی لئے عام طور پر جمعہ کی جماعت بڑی ہوتی ہے، موجودہ حالات میں طبی نقطۂ نظر سے تعداد کو محدود کرنا ضروری ہے، تو اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ کی جماعت کے لئے امام کے علاوہ تین آدمی یعنی مجموعی اعتبار سے چار افراد اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے سوا دو افراد کا ہونا ضروری ہے: ''أقل الجماعة ثلاثه سوی الإمام وهذا عند أبي حنيفة ومحمد ، وقال أبو يوسف : إثنان سوی الإمام''(۱) اس پس منظر میں موجودہ حالات کی رعایت کرتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسجد میں جمعہ تو قائم کیا جائے؛ لیکن صرف پانچ سات نمازیوں کے ذریعہ۔

اب سوال یہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں جمعہ نہیں پڑھ سکے تو کیا وہ گناہ گار ہوں گے؟ پھر وہ اپنے گھر میں جمعہ پڑھیں گے یا ظہر؟ اور ظہر پڑھیں گے تو جماعت کے ساتھ یا انفرادی طور پر؟ تو پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے جمعہ کو ترک کرنا باعث گناہ نہیں ہے: ''وتسقط بالعذر حتیٰ لا تجب على المريض ....''(۲) اور اس وقت وبائی مرض کا پھیلاؤ اور اس کی وجہ سے بڑی تعداد میں جمع ہونے کی قانونی ممانعت یقیناً ایک معقول اور معتبر عذر ہے۔

جمعہ کے درست ہونے کے لئے مسجد ضروری نہیں ہے؛ بلکہ شہر میں کسی بھی جگہ جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، گھر میں بھی اگر لوگوں کو آنے کی اجازت ہو تو جمعہ درست ہوجائے گا: ''جواز إقامة الجمعة ليس بمحضور في المصلیٰ ؛ بل تجوز في جميع أفنية مصر''(۳) لیکن سوال یہ ہے کہ جب مسجد کی جماعت کو بیماری کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے محدود کیا گیا اور چند افراد کے ساتھ جمعہ قائم کرنے کی تلقین کی جارہی ہے؛ تاکہ اسلام کا ایک شعار پورا ہوجائے اور انسانی زندگی کی مصلحت بھی برقرار رہے، تو اگر گھروں میں بھی جمعہ قائم کیا جائے تو یہ مصلحت تو پھر بھی فوت ہوجائے گی، اور قانون کی بھی خلاف ورزی ہوگی؛ اس لئے موجودہ حالات میں گھروں پر جمعہ کی نماز نہیں رکھنی چاہئے؛ بلکہ جمعہ کے بجائے گھروں پر ظہر کی نماز ادا کرنی چاہئے۔

اب نماز ظہر کے سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: پہلی بات یہ کہ جب مسجد میں جمعہ کی نماز ہوجائے، تب گھروں میں ظہر کی نماز ادا کی جائے، اگر اس سے پہلے ظہر کی نماز ادا کرلی تو یہ مکروہ ہے؛ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو

---

(۱) تبیین الحقائق: ۱/۲۲۰، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۲/۱۴۱۔

(۲) بنایہ شرح ہدایہ: ۲/۳۲۴۔ (۳) عنایہ شرح ہدایہ: ۲/۵۲۔

اس کی نماز ہی نہیں ہوتی: ''ومن لا عذر له لو صلیٰ الظهر قبلها کره وقال زفر : لا يصح ظهره''(۱)
دوسرے: جولوگ گھروں پر ظہر کی نماز ادا کریں، ان کو انفرادی طور پر ظہر ادا کرنی چاہئے، نہ کہ جماعت سے؛ اس لئے کہ جمعہ کے احترام کا تقاضہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور جماعت نہ ہو، ایک تو ظہر کی جماعت سے شرکاء جمعہ کی تعداد کم ہوتی ہے، دوسرے: معارضہ یعنی ایک دینی شعار کے مقابلہ میں دوسرا عمل انجام دینے کی صورت بنتی ہے؛ اس لئے بعض مشائخ نے جمعہ کے دن ظہر کے ساتھ جماعت کو مکروہ تحریمی اور بعض نے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، علامہ شامیؒ نے تفصیل سے اس کا ذکر فرمایا ہے، (۲) نیز اس وقت لاک ڈاؤن یا کرفیو کی وجہ سے لوگوں کے گھروں کی حیثیت ان کے لئے قید خانہ کی سی ہوگئی ہے، اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ انسان قید میں ہو یا قید سے باہر، جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے: ''ويكره أن يصلى الظهر يوم الجمعة فى المصر بجماعة فى سجن وغير سجن''(۳) اس لئے جمعہ کے دن گھروں میں ظہر پڑھی جائے۔

نمازتراویح

رمضان المبارک کا ایک اہم اور خصوصی عمل نماز تراویح ہے، جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، جیسے عام نمازوں کی جماعت دو افراد کے ذریعہ بن سکتی ہے، اسی طرح تراویح کی جماعت بھی موجودہ حالات میں چار پانچ افراد کے ذریعہ کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بقیہ حضرات اپنے گھروں میں تراویح کی نماز ادا کرلیں، خود رسول اللہ ﷺ نے چند ہی دنوں لوگوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی، بقیہ دنوں میں آپ ﷺ نے گھر میں نماز پڑھی، اور ویسے بھی فرائض کے علاوہ دوسری نمازوں کو گھر میں ادا کرنے کی گنجائش ہے؛ اسی لئے فقہاء نے تراویح میں جماعت کو ''سنت علی الکفایۃ'' قرار دیا ہے، یعنی اگر محلہ میں کہیں تراویح نہ ہو، یا مسجد میں تراویح کا اہتمام ہی نہ ہو تو سب لوگ سنت کے تارک شمار کئے جائیں گے، اور اگر محلہ میں ایک جگہ تراویح کی جماعت ہو جائے تو شریک ہونے والوں کو تو ثواب ہوگا ہی؛ لیکن جو لوگ شریک نہیں ہوئے، ان کو بھی ترک سنت کا گناہ نہیں ہوگا: ''والجماعة فيها سنة على الكفاية فى الأصح ؛ فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم''(۴) اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تراویح گھر میں پڑھی جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض سلف صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے: ''ولو صلیٰ انسان فى بيته لا يأثم هكذا كان يفعله ابن عمر''(۵) موجودہ حالات میں چوں کہ عذر کی وجہ سے ترک جماعت کی نوبت آرہی ہے؛ ورنہ نیت اور خواہش تو تھی کہ جماعت کے ساتھ پڑھیں؛

(۱) تبیین الحقائق: ۱/ ۲۲۲۔ (۲) دیکھئے: ردالمحتار: ۲/ ۱۵۷۔
(۳) محیط برہانی: ۲/ ۹۲۔ (۴) درمختار: ۲/ ۹۴۔ (۵) المبسوط للسرخسی: ۲/ ۱۴۵۔

اس لئے شریعت کے عام اُصول کے تحت نیت کی بنیاد پر انشاء اللہ اسے بھی باجماعت نماز ادا کرنے کا اجر حاصل ہوگا؛ البتہ عذر کی وجہ سے تراویح کی بڑی جماعت سے بچنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تراویح ہی چھوڑ دی جائے کہ تراویح اصل ہے، اور اس کو مسجد میں ادا کرنا ضمنی عمل ہے؛ اس لئے موجودہ حالات میں تو اس کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔

تراویح میں قرآن مجید کا ایک ختم مسنون ہے: ''السنة فی التراویح الختم مرة''(۱) چوں کہ ہندوستان مین اکثر مساجد میں امام حافظ بھی ہوتے ہیں؛ اس لئے مسجدوں میں ختم قرآن کی کوشش کرنی چاہئے اور چوں کہ ختم قرآن کا تعلق تراویح سے ہے نہ کہ مسجد سے؛ اس لئے اگر گھروں میں کوئی حافظ میسر ہو اور وہ بالغ ہو تو اس کے ذریعہ قرآن مکمل کرانا بہتر ہے، اگر کوئی حافظ میسر نہ ہو تو گھر میں جس آدمی کے اندر نماز پڑھانے کی صلاحیت ہو اور اسے نسبتاً زیادہ قرآن یاد ہو، وہ تراویح کی امامت کرے، یہاں تو ایک بڑی مجبوری ہے؛ لیکن فقہاء نے نمازیوں کی کسل مندی کو دیکھتے ہوئے بھی تراویح میں مختصر قرأت کی اجازت دی ہے: ''فالأفضل أن يقرأ الإمام على حسب حال القوم من الرغبة والكسل فيقرأ قدر مالا يوجب تنفير القوم عن الجماعة''(۲) بلکہ بعض فقہاء نے تو کہا ہے کہ اگر مغرب کی قرأت کے بقدر پڑھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے: ''والمتأخرون فی زماننا يفتون بثلاث آيات قصار وآية طويلة حتیٰ لا يمل القوم ولا يلزم تعطيها وهذا أحسن''(۳) لہٰذا حالات کے لحاظ سے عمل کرنا چاہئے۔

اعتکاف

رمضان المبارک کا ایک خصوصی اور اہم عمل اعتکاف ہے، یہ بھی سنت کفایہ ہے، یعنی اگر محلہ میں ایک شخص بھی اعتکاف کر لے تو تمام لوگ ترک سنت کے گناہ سے بچ جائیں گے: ''ثم اعتكاف العشر الأخير سنة مؤكدة على الكفاية''(۴) بحمد اللہ گزشتہ ۲۰/۲۵ سالوں سے مسلمانوں میں اعتکاف کا خاص ذوق پیدا ہوا ہے، نوجوان بھی اس میں بہ کثرت شامل ہوتے ہیں، اور بہت سے علماء ومشائخ اس کو اپنے ارادت مندوں کی تربیت کا ذریعہ بناتے ہیں؛ لیکن مسجد میں کئی لوگوں کے معتکف ہونے اور تربیتی اجتماعات منعقد کرنے میں اِس وقت کورونا وائرس کے پھیلنے کا اندیشہ ہے؛ اس لئے یہ بات کافی ہے کہ امام یا مؤذن صاحب یا محلہ کے ایک دو صحت مند لوگ مسجد میں اعتکاف کر لیں اور بقیہ حضرات اپنے گھروں پر رہتے ہوئے تلاوت، استغفار اور دُعاء واذکار کا اہتمام کریں۔

---

(۱) المبسوط للسرخسی: ۲/۱۴۶۔
(۲) بدائع الصنائع: ۱/۲۸۹۔
(۳) بنایہ شرح ہدایہ: ۲/۵۵۶۔
(۴) فتح باب العنایہ بشرح النقایہ: ۲/۲۴۲۔

روزہ کا حکم

اسلام کا ایک اہم رکن روزہ ہے، اور رمضان المبارک کا روزہ فرض ہے، شدید عذر کے بغیر رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ دینا جائز نہیں، نیز عذر کا تعلق ہر شخص کے انفرادی حالات سے ہے، چند اشخاص کے معذور ہونے کی وجہ سے پوری آبادی کو معذور قرار نہیں دیا جاسکتا، افسوس کہ اس وقت بعض عرب ممالک کے علماء کی طرف منسوب فتویٰ میڈیا میں گشت کر رہا ہے کہ اس سال رمضان المبارک میں مسلمان روزہ نہ رکھیں؛ کیوں کہ حلق کے خشک ہوجانے کی صورت میں کورونا سے متأثر ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

اگر واقعی اس طرح کا فتویٰ دیا گیا ہے تو یہ بے حد افسوسناک اور نا قابل قبول ہے، مختلف لوگوں کی قوت مدافعت میں فرق ہوتا ہے، صحت، عمر اور گرمی سے بچنے کے وسائل کی فراہمی کے لحاظ سے لوگوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں؛ اس لئے عمومی طور پر یہ حکم لگانا درست نہیں ہے، اس سے تو شریعت کا ایک اہم ترین حکم اور دین کا ایک شعار پامال ہوجائے گا؛ اس لئے ایسی باتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور روزہ رکھ کر رمضان المبارک کے انوار وبرکات سے اپنے دامن کو بھرنا اور تربیت نفس کے اس مؤثر نظام سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

البتہ دوسری عبادتوں کی طرح روزہ میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ عذر کی بناء پر روزہ چھوڑا جاسکتا ہے، اگر یہ عذر عارضی ہے تو بعد میں روزہ کی قضاء کر لی جائے، اور عذر دائمی ہے تو فدیہ ادا کیا جائے —— یہ اعذار کیا ہیں؟ فقہاء نے ان پر تفصیل سے بحث کی ہے، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے بہ حیثیت مجموعی نو اعذار ذکر کئے ہیں؛ بلکہ آسانی کے لئے ایک شعر میں ان سب کو جمع کر دیا ہے، (۱) ان اعذار میں ایک بیماری بھی ہے، بیماری کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ :

● یا تو پہلے سے بیمار ہو اور روزہ رکھنے کی صورت میں بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو: ''أو مريض خاف الزيادة لمرضه'' (۲) اور مرض کے بڑھنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ شفایاب ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو، کسی عضو کے ضائع ہوجانے کا ڈر ہو، یا آنکھ یا سر میں شدید درد کا خطرہ ہو: ''أو بطاء البرء .... صداعاً أو غيره'' (۳) ظاہر ہے یہی حکم دوسری جسمانی تکلیف کا بھی ہوگا۔

● یا پہلے سے تو بیمار نہ ہو، صحت مند ہو؛ لیکن روزہ رکھنے کی صورت میں بیمار پڑ جانے کا خطرہ ہو: ''وصحيح خاف المرض''۔ (۴)

● مریض کا تیماردار یا معالج ہو، روزہ رکھے تو اس ذمہ داری کو ادا نہیں کرسکتا: ''ومثله ما إذا كان

(۱) دیکھئے: ردالمحتار: ۳/ ۴۰۲، مفصل فی العوارض المبیح۔ (۲) درمختار: ۱۴۹۔
(۳) ردالمحتار: ۹۴۔ (۴) ردالمحتار: ۲/ ۴۲۲۔

یمرض المرضیٰ''(۱) اس حکم میں وہ ڈاکٹر اور نرس بھی ہوں گے، جن کو روزہ رکھ کر اپنے فرائض انجام دینے میں بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

● مرض بڑھنے کے خوف یا بیمار پڑ جانے کے خوف میں صرف موہوم خطرہ اور اندیشہ ہائے دور دراز کا اعتبار نہیں؛ بلکہ یہ اندیشہ غالب گمان کے درجہ میں ہو، اس طرح کہ یا تو اس کے قرائن وعلامات ہوں، یا پہلے کا تجربہ ہو، یا کسی ماہر مسلمان طبیب نے بتایا ہو: ''**بغلبة الظن بأمارة أوتجربة أو بأخبار طبيب حاذق مسلم مستور**''(۲) البتہ یہ ضروری نہیں کہ وہ خود ہی اس تجربہ سے گذرا ہو، دوسرے مریض کا تجربہ بھی معتبر ہوگا: ''**ولو كانت من غير المريض عند اتحاد المرض**''۔(۳)

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ :

(الف) اگر کوئی مریض اس حالت میں پہنچ گیا کہ کورونا کا اثر اس پر شروع ہو چکا ہے، جیسے مسلسل خشک کھانسی یا تیز تنفس تو اس کو روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔

(ب) اگر کسی شخص میں ابتدائی علامات ہوں اور ٹیسٹ کرنے پر وہ پازیٹیو نکلا تو اس کا روزہ نہ رکھنا درست ہوگا۔

(ج) اگر عمر کی زیادتی یا پہلے سے موجود بیماری کی وجہ سے کسی شخص کی قوت مدافعت بہت کم ہوگئی ہو اور ڈاکٹر کی رائے ہو کہ موجودہ حالات میں روزہ رکھنا اس کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے، تو اس کے لئے بھی روزہ نہ رکھنا درست ہوگا۔

(د) ڈاکٹر اور نرس، جن کے متأثر ہونے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے اور موجودہ حالات میں ان کو طویل اور مسلسل ڈیوٹی دینی پڑ رہی ہے اور وہ بھی کورونا سے متأثر مریضوں کے درمیان، اگر ڈاکٹر مشورہ دے، یا اپنے علم وتجربہ کی بناء پر وہ خود محسوس کریں کہ دن بھر بھوکا پیاسا رہنا ان کے لئے اس مرض سے متأثر ہونے کا سبب بن سکتا ہے تو ان کے لئے بھی فی الحال روزہ چھوڑ دینا جائز ہے۔

لیکن بہر حال لوگوں کے انفرادی حالات کے اعتبار سے ان کے معذور ہونے کا فیصلہ ہوگا، اور عذر کی بناء پر روزہ نہ رکھنا جائز ہوگا، یہ درست نہیں ہے کہ جو لوگ ان تفصیلات کے مطابق معذور کے دائرہ میں نہیں آتے ہیں، وہ بھی بے بنیاد خوف کا سہارا لے کر روزہ نہ رکھیں۔

گھر کی جماعت میں خواتین کی شرکت

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خواتین بھی مسجد کی جماعت میں شریک ہوا کرتی تھیں؛ لیکن آپ نے تلقین

(۱) ردالمحتار: ۲/ ۴۲۲۔ (۲) درمختار: ۱۴۹۔ (۳) درمختار وردالمحتار: ۳/ ۴۰۴۔

کی تھی کہ ان کا گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے: ''وبیوتھن خیر لھن ''(۱) کیوں کہ ان کے مسجد جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہے،فقہاء نے بعد کو جب لوگوں میں بڑھتا ہوا اخلاقی زوال دیکھا تو منشاء نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کے مسجد میں جانے کو مکروہ قرار دے دیا؛لیکن اس کا تعلق مسجد کی جماعت میں شرکت کرنے سے ہے؛ کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ بڑھا ہوا ہے: ''ویکرہ للنساء حضور الجماعات لقوله عليه الصلاة والسلام : بيوتهن خير لهن ؛ لما فيه من خوف الفتنة''(۲)اس کا تعلق گھر میں ہونے والی جماعت سے نہیں ہے؛ لہٰذا اگر گھر میں مرد نماز پڑھائے،اس کی بیوی، بیٹے، بیٹیاں اور دوسرے محرم رشتہ دار نماز میں شامل ہوجائیں تو اس کی گنجائش ہے،خاص کر نماز تراویح میں اگر گھر کا کوئی مرد حافظ ہو، یا اس کو قرآن پاک کا زیادہ حصہ یاد ہو،وہ نماز پڑھائے اور عورتیں بھی اس کے ساتھ نماز میں شامل ہوجائیں تو چوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے؛اس لئے اس کی گنجائش ہے۔

البتہ فقہاء نے عہد نبوی کے معمول کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ترتیب مقرر فرمائی ہے کہ امام کے پیچھے پہلے بالغ مردوں کی صف ہو اور اگر ایک ہی مرد ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوجائے،اس کے پیچھے نابالغ بچوں کی صف ہو، اور بچوں کے پیچھے خواتین کی، علامہ بدالدین عینیؒ فرماتے ہیں: ''ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء هذا ترتيب القيام خلف الامام''۔(۳)

آخری مرحلہ

کورونا وائرس سے متأثر ہوکر جن لوگوں کی موت ہوجائے، ان سے متعلق خصوصی احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے،اس احتیاط کا تعلق سب سے زیادہ غسل سے ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر میت کو معمول کے طریقہ پر غسل دیا جائے تو اس سے غسل دینے والے کے بھی متأثر ہونے کا اندیشہ ہے،اور وائرس کے پھیلاؤ کا بھی خطرہ ہے؛لہٰذا اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ مردہ کے جسم پر صرف پانی بہادیا جائے،جسم ملا نہیں جائے،اس طرح پانی کا بہانا پائپ کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے؛ چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لاش اس قدر پھول پھٹ گئی ہو کہ ہاتھ لگانا دشوار ہو تو صرف پانی بہادینا کافی ہے: ''ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه''(۴) اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو جیسے زندہ شخص کے حق میں تیمم غسل کے قائم مقام ہے،اسی طرح میت کے حق میں بھی ہے؛(۵) لہٰذا اپنے ہاتھ میں حفاظتی غلاف پہن کر مٹی پر ہاتھ مار کر مردہ کے چہرہ اور ہاتھ پر پھیر دے، یہ کافی ہوجائے گا۔

(۱) مسند احمد عن ابن عمر:۲/۱۵۸۔ (۲) الاختیار لتعلیل المختار:۱/۵۷۔ (۳) البنایۃ:۲/۳۰۸۔
(۴) الفتاویٰ الہندیۃ:۱/۱۵۸۔ (۵) البنایہ:۱۳/۵۳۴۔

دوسرا مسئلہ کفن کا ہے، کفن کے سلسلہ میں ایک تو سنت طریقہ ہے، جس کے مطابق مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے اور عورت کو پانچ کپڑوں میں، اگر ڈاکٹر کی طرف سے اجازت ہو تو اس پر عمل کیا جائے؛ اگر لاشیں حوالہ نہ کی جائیں اور اس بات کی سہولت ہو کہ کفن کے کپڑے ہاسپیٹل کے حوالہ کردیئے جائیں اور وہ اسی ترتیب پر کفن پہنا دے تو یہ بہتر صورت ہوگی؛ لیکن اگر اس کا موقع نہیں ہو، اور ہاسپیٹل کی طرف سے ہی لاش کپڑے میں لپیٹ کر دی جاتی ہو اور حکومت کی طرف سے اسی طرح اس کو دفن کرنے کا حکم ہو تو اس صورت میں جس کپڑے میں لپیٹا گیا ہے، وہی اس کا کفن ہے اور یہ کافی ہوجائے گا؛ کیوں کہ اس درجہ کا کفن ضروری ہے، جس سے میت کا جسم ڈھک جائے، اور ستر کے تقاضے پورے ہوجائیں، اس پر فقہاء کا اتفاق ہے: ''اتفق الفقهاء على أن تكفين الميت بما يستره فرض على الكفاية''۔(۱)

نماز جنازہ

نماز جنازہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ بعض جگہ غسل دیئے بغیر تابوت میں لاش رکھ کر تابوت حوالہ کیا جاتا ہے اور کھولے بغیر تابوت کو دفن کرنے کا حکم ہوتا ہے، اس صورت میں اہم سوال یہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے مردہ کو غسل دینا واجب ہے؛ کیوں کہ موت بھی جسم کے ناپاک ہونے کا ایک سبب ہے اور غسل کے ذریعہ اس کا جسم پاک ہوتا ہے اور پاک ہونے کے بعد ہی اس پر نماز پڑھی جانی چاہئے، تو اس صورت کے دو حل ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اسی تابوت پر نماز جنازہ پڑھی جائے؛ کیوں کہ فقہاء شوافع کے نزدیک اگر کسی مردہ کو غسل دینا ممکن نہ ہو تو بغیر غسل کے بھی اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، یہ رائے متأخرین شوافع کے علاوہ بعض مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے: ''ذهب ابن حبيب من المالكية والحنابلة وبعض المتأخرين من الشافعية إلى أنه يصلى عليه مع تعذر الغسل والتيمم''(۲) اور ایسی دشواریوں کے موقع پر دوسرے فقہاء کی رائے سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

دوسرا حل یہ ہے کہ تدفین کے بعد قبر پر نماز پڑھ لی جائے، خود رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی خدمت کرنے والی ایک خاتون کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے، فقہاء احناف نے بھی لکھا ہے کہ اگر غسل دیئے بغیر مردہ کو دفن کردیا گیا اور دوبارہ لاش نکال کر غسل دینا ممکن نہ ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے: ''.... وإن لم يمكن بأن دفن قبل الغسل ولم يمكن اخراجه إلا بالنيش تجوز الصلاة على قبره للضرورة''۔(۳)

ابھی چند دن پہلے مشرقی علاقہ سے ایک خبر آئی کہ کورونا مریض کی لاش ورثاء کو حوالہ نہیں کی گئی اور حکومت کے

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ: ۱۳/ ۲۳۷۔ (۲) الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲/ ۱۱۹۔ (۳) فتاویٰ ہندیۃ: ۱/ ۱۴۲۔

ادارہ نے دفن بھی کر دیا، یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ قبر کہاں بنی؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہوسکتا ہے، محب گرامی حضرت مولانا سید عبید اللہ اسعدی (شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ) سے تبادلۂ خیال ہوا اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ اگرچہ احناف غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں؛ لیکن دوسرے فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں؛ اس لئے ایسے حالات میں اس رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے، اور غائبانہ نماز ادا کی جا سکتی ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی ہے، احناف اس استدلال کا یہی جواب دیتے ہیں کہ چوں کہ حبش میں مسلمان نہیں تھے اور وہاں ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جا سکی تھی؛ اس لئے غائبانہ نماز ادا کی گئی، تو جو صورت اِس وقت درپیش ہے، وہ بھی ایسی ہی ہے؛ اس لئے جس درجہ میں ہو سکے، دنیا سے جانے والے مسلمان بھائی کا حق ادا کیا جانا چاہئے؛ کہ نماز جنازہ جانے والے کا زندہ رہنے والوں پر حق ہے۔

حکومت کی طرف سے اس بات کی بھی ہدایت کی گئی ہے کہ جنازہ میں زیادہ لوگوں کی شرکت نہ ہو، چند افراد نماز پڑھ لیں؛ چوں کہ یہ حکم موجودہ حالات کی بناء پر ہے اور اس میں انسانی زندگی کا تحفظ مقصود ہے؛ اس لئے قانون پر عمل کرنا چاہئے، نماز جنازہ کے لئے خاص تعداد تو کجا جماعت بھی شرط نہیں ہے، اگر تنہا ایک شخص پڑھ لے تب بھی نماز ادا ہو جائے گی: ''**والصلاة على الجنازة تنعقد بأداء الامام وحده ؛ لأن الجماعة ليست بشرط الصلاة على الجنازة**'' (۱) لہٰذا اگر حکومت نے دس افراد تک کی اجازت دی ہے، جیسا کہ اخبارات سے معلوم ہوا ہے تو اس کی رعایت کرنی چاہئے۔

دفع مصیبت کیلئے اذان

اذان کا اصل مقصد نماز کی اطلاع دینا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سخت قسم کا طاعون پھیل گیا تھا؛ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ صحابہ نے دفع مصیبت کے لئے اذان دی ہو، اور نہ وبائی امراض کے لئے کوئی خصوصی نماز ثابت ہے؛ اس لئے احناف کے نزدیک اس موقع پر اذان نہیں ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کیا جائے، صدقہ کیا جائے، سورہ یٰسین کی تلاوت کر کے دُعا کی جائے اور نماز حاجت پڑھی جائے، جو کسی بھی حاجت کی تکمیل کے لئے پڑھی جانے والی نماز ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

البتہ فقہاء شوافع نے مصیبت وغیرہ کے موقع پر اذان دینے کی اجازت دی ہے: ''**وكذا يندب الأذان وقت الحريق و وقت الحرب وخلف المسافر وفي أذن المهموم والمصروع الخ**'' (۲) ملک کے موجودہ حالات میں جب کہ مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے بہانے تلاش کئے جا رہے ہیں، ایسی چیزوں سے بچنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ: ۱/ ۱۴۲۔ (۲) الفقہ علی مذاہب الاربعہ: ۱/ ۲۹۵۔

مکتبِ کورونا کے سوا سباق

مولانا محمد اعظم ندوی ☆

سبق (۱) دنیائے وجود میں سب سے قیمتی سرمایہ انسان ہے۔

سبق (۲) گھر کی چہار دیواری ایک بہت بڑی نعمت ہے، جس کا ہمیں احساس نہ تھا۔

سبق (۳) تنہائی بھی ایک عذاب ہے، گھر بھی قید خانہ ہوسکتا ہے، جو عقوبت خانوں کے حرماں نصیب مکینوں کی یاد دلاتا ہے، کشمیریوں نے کچھ ماہ پہلے بھی فریاد کی تھی، ہم نے ردعمل کا اظہار کئے بغیر دل ہی دل میں کہا تھا: جھوٹ، آج سب کے لیے سچ ہوگیا۔

سبق (۴) گھر میں رہنا ہے یا بیمارستان میں، بہت کچھ آپ پر منحصر ہے۔

سبق (۵) میں نے اپنے سپنے ادھورے کیوں چھوڑے؟ کسی سے ملنا تھا کیوں نہیں ملے؟ کسی کو بغل گیر کرنا تھا کیوں نہیں کیا؟ کسی کی قدم بوسی کرکے گھر سے نکلنا تھا، کیوں بھول گئے؟ کسی روٹھے کو منانا تھا؟ کیوں نہ منایا؟ جو اچھے کام دل میں آئے تھے وقت پہ ہی کر لینا چاہیے تھا، کہیں کل کرنا چاہوں، اور دروازے بند ہوں، یا دروازے کھلے ہوں، اور شاہراہیں سنسان ہوں۔

سبق (۶) غزہ کے لاک ڈاؤن کا درد ہم نے محسوس نہیں کیا تھا، اب وہاں دنیا میں بغیر چھت کی سب سے بڑی جیل میں لوگ کس طرح گزارا کرتے ہیں، سمجھ میں آیا۔

سبق (۷) دنیا کے حسین ترین اور مغرور شہر انسانوں کے بغیر ویرانے ہیں۔

سبق (۸) بھوک کا مذہب نہیں ہوتا اور افلاس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی غم نہیں۔

سبق (۹) قادر مطلق ایک ہی ہے، باقی تمام افسانے۔

سبق (۱۰) امریکہ سوپر پاور نہیں۔

سبق (۱۱) دل کی بیماری یا باطن کا خبث ہاتھ دھونے سے نہیں جاتا، چاہے شانے بھی دھو دیئے جائیں۔

☆ استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

سبق (۱۲) شر پسندوں کی نفرت کا کوئی موسم نہیں ہوتا، جب تک جان حلق میں نہ اٹک جائے، زبان پر قابو نہیں رہتا، الٰہی! ایسے رذیلوں کو کیفر کردار تک پہنچا۔

سبق (۱۳) ٹرمپ اور سیسی جیسے وقت کے فرعونوں کو بھی گاڈ اور خدا کی یاد آتی ہے، مودی بھی پندار خودی سے باہر آ سکتا ہے، نیتن یاہو بھی سہم سکتا ہے۔

سبق (۱۴) زندگی کبھی ہمارے ہاتھ ہوتی ہے، کبھی ہم زندگی کے ہاتھ ہوتے ہیں۔

سبق (۱۵) مشکل حالات میں ہی لیڈروں، ملکوں اور قوموں کے حقیقی چہرے سامنے آتے ہیں، اوران کے قدوقامت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

سبق (۱۶) چیزیں ہر لحظہ بدلتی ہیں، اور بغیر کسی سان وگمان کے بدلتی ہیں، ہمارے نہ چاہتے ہوئے بدلتی ہیں، ہم انہیں اپنے خزانوں کے دہانے کھول کر بھی نہیں روک سکتے۔

سبق (۱۷) میرے وطن کی حکمرانی ہر شعبہ میں خطرہ کے نشان پہ ہے اور ریڈ لائٹ پہ ڈرائیو کرنے کے عادی، ہمارے حکمراں سخت مصیبت میں بھی ہٹ دھرم اور ضدی ہی رہیں گے، الٰہی! دو چار جھٹکے ان کو بھی۔

سبق (۱۸) محبت ہی حقیقی زندگی ہے، اٹلی میں مرنے والوں کی آخری آرزو: اپنے پیاروں کی ایک جھلک یا کم از کم ان کی ایک آواز؛ لیکن افسوس کہ یہ آرزو پوری نہ ہوسکی، اٹلی کے وزیر اعظم نے یہ سکھایا کہ نگاہ لطف اور شیریں کلامی سے بھی دل جیتے جا سکتے ہیں۔

سبق (۱۹) صبح وشام گھر رہنا اور بے سبب نہ پھرنا عقلمندوں کا طریقہ ہے، اس لیے ان کو آج دقتوں کا کم سامنا ہے، ہم جیسے نادان ایسے کام صرف مجبوری میں کرتے ہیں اور آج غم اٹھا رہے ہیں، انٹرنیٹ نہ ہوتا تو ہمارا کیا ہوتا، شکر کرتے ہیں، عربی شاعر نے کہا ہے:

ذُو العقلِ يَبقَى فِي السَّرِيْرِ بِبَيْتِهِ   وَأَخُوْ الْجَهالَةِ فِيْ الشَّوارِعِ يَرْتَعُ

عقلمند گھر میں اپنے بستر پر پڑا رہتا ہے، اور نادان سڑکوں پر پھرتا ہے۔

سبق (۲۰) وائی فائی کی تلاش اور ہائی فائی بننے کے شوق میں ہم اپنی روایتوں کو بھولتے جارہے تھے، کورونا نے سکھایا کہ گھر میں محترمہ کا ہاتھ بٹانے سے معیار نہیں گھٹتا اور مردانگی نہیں جاتی۔

سبق (۲۱) حجاب یا نقاب تحفظ کا سامان ہے، وضو پاکیزگی کا ذریعہ ہے، دُعا مؤثر اینٹی بائیوٹک (Antibiotic) ہے اور ''اختلاط'' مصیبت ہے۔

سبق (۲۲) دور اندیش مفتیان کرام اور انسانی خدمت کا جذبہ رکھنے والے ڈاکٹروں کی اہمیت مشکل حالات میں اور بڑھ جاتی ہے۔

سبق (۲۳) دنیا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے؛ وائرس کے لیے چین سے اسپین کا سفر کتنا مختصر تھا؛ لیکن یہ اللہ کی قدرت ہے، انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ ہوائی سفر موقوف ہوتے ہی اس کے بال و پر کٹ گئے، وہ اپنی اوقات میں آ گیا، اب تو اس کی دنیا کا پھیلاؤ اس کے اپنے گاؤں تک بھی نہیں، اور کچھ لوگوں کے لیے اپنے گھروں کے آنگن اور دہلیز تک بھی نہیں۔

سبق (۲۴) دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے علاج وصحت کا نظام انتہائی ناقص ہے، اور ڈاکٹروں کے لیے تحفظ کا سامان مزید ناقص، امریکہ میں نرسیں کچرادانوں میں استعمال کی جانے والی صاف پالی تھین قمیص کی شکل میں کاٹ کر پہننے پہ مجبور، ٹرمپ کو تیسری دنیا کے اسکارف اور مفلر یاد آ گئے۔

سبق (۲۵) دنیا کا سود پر مبنی معاشی نظام سکرات کے عالم میں ہے، وائرس کا ایک جھٹکا دسیوں ٹریلین ڈالر کے مالی خسارہ سے دوچار کر چکا ہے، کچھ دن اور یہی حالت رہی تو خود لال بجھکڑ کہہ رہے ہیں کہ نام نہاد ''معاشی ترقی'' کے شیش محل دھڑام سے کہیں زمین پر نہ آ جائیں!!

سبق (۲۶) مسلمان آج بھی علماء کی اپیلوں اور مشوروں کو مانتے ہیں، ہاں کچھ مسلمان ضدی بھی ہوتے ہیں، مساجد کے دروازے کھلے ہوں تو یہاں آتے نہیں، جائز وجوہات کی بنا پر بند ہوں تو یہاں سے جاتے نہیں۔

سبق (۲۷) کورونا چاہتا ہے کہ انسانوں میں مساوات قائم ہو، امیر غریب کو نگلنا بند کرے اور طاقتور کمزور کو کچلنا چھوڑ دے: ''يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ'' (کاش ہمارے لوگ سمجھ پاتے)۔

سبق (۲۸) یہ وائرس ''امر بالمعروف اور نهي عن المنكر'' کا کام کر رہا ہے، اچانک آیا، اچانک پھیلا، اور اچانک چھا گیا، ہمیں بتا رہا ہے کہ توبہ کا دروازہ بھی اچانک بند ہو جائے گا، ملک الموت بھی اچانک ہی آئیں گے، سورج بھی مغرب سے اچانک ہی نکل آئے گا، اس لیے غفلت میں نہ رہو۔

سبق (۲۹) مسلمان آج بھی دوسروں کی جانیں بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور بے لوث خدمت کرتا ہے، ریڈ کراس غائب ہے، ہلال احمر مطلع پر موجود ہے۔

سبق (۳۰) انسان مصیبت کی ایک گھڑی میں جتنی عبرت لیتا ہے، عافیت کی ایک صدی میں نہیں، نفس کی اصلاح کے لیے خانقاہوں کی چلہ کشی پر ہسپتال کی ایک شب غم بھاری ہے۔

سبق (۳۱) بہت سے مفتیان کرام فقہی جزئیات کے بغیر ایک لقمہ نہیں توڑ سکتے، ان میں بیدار مغزی اور دور اندیشی کا فقدان ہے، وہ مقاصد شریعت کو خاطر میں نہیں لاتے اور مصالح ومفاسد کا موازنہ نہیں کرتے؛

چوں کہ وہ ''فقه المقاصد'' (شریعت کے بنیادی پانچ مقاصد کی رعایت پر مبنی فقہ) ''فقه الأولويات'' (ترجیحات کے تعین پر مبنی فقہ) ''فقه المآلات'' (نتائج پر مبنی فقہ) اور ''فقه الأقليات'' (اقلیات کی رعایت پر مبنی فقہ) وغیرہ کو دین ومروت کے خلاف ایک سازش سمجھتے ہیں، اور اس طرح مسائل کو مشکل بنا کر پیش کرتے ہیں۔

سبق (۳۲) ہم میں سے بہت سے لوگ حالات کا صحیح اندازہ نہیں لگا پاتے، بسا اوقات ہمارے یہاں مشورے کو کمزوری اور اپنے چھوٹوں کا مشورہ ماننے کو اور بھی زیادہ عار سمجھا جاتا ہے؛ چونکہ کچھ لوگ اپنے ہر فیصلہ کو الہامی سمجھتے ہیں چاہے وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں۔

سبق (۳۳) ہمارے بہت سے خطباء مطالعہ نہیں کرتے، اپنے علمی افلاس کی کمزوریاں غصہ، بے جا جوش اور تکفیری فتووں سے چھپانا چاہتے ہیں، وہ کہاں چھپتی ہیں، کورونا کی ابتدا میں بھی انہوں نے یہی کیا۔

سبق (۳۴) ہمارے بہت سے قائدین اپنی رائے ظاہر کرنے میں ایمرجنسی حالات میں بھی تاخیر کرتے ہیں، جب کہ وہ لوگ بول رہے ہوتے ہیں جنہیں بولنا نہیں آتا۔

سبق (۳۵) کہا جاتا ہے کہ چین بغیر میزائل اور ٹینک کے تیسری عالمی جنگ جیت گیا۔

سبق (۳۶) یورپین اتنے پڑھے لکھے نہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے ہیں۔

سبق (۳۷) ہمارے ملک کے خوشحال اور متمول لوگ ساحل سمندر، ریزارٹس، ہل اسٹیشنز، سبزہ زاروں اور آبشاروں کے بغیر بھی اپنی چھٹیاں گزار سکتے ہیں۔

سبق (۳۸) امیروں کی دفاعی قوت اور ان کا امیون سسٹم غریبوں سے کمزور ہے۔

سبق (۳۹) ڈھونگی بابا، پنڈت، پجاری اور نجومی وغیرہ علاج کی کوئی سوپر شکتی نہیں رکھتے، تالیاں، تھالیاں بجانے اور موم بتیاں جلانے سے وبائیں اور پھیلتی ہیں۔

سبق (۴۰) ہاتھ ملانا محبت اور گلے ملنا فرط محبت کی علامتیں ہیں، کورونا نے بتایا کہ آج ان کی حیثیت جیسے ہتھیار کی ہوگئی ہو کہ ہر ایک کو ان کی زد سے بچانا اور خود بچنا ضروری ہوگیا، خدا جس چیز میں جو تاثیر چاہے ڈال دے، سجاد بلوچ (وفات: ۱۹۷۶ء) نے کہا تھا:

افسوس یہ وبا کے دنوں کی محبتیں
اک دوسرے سے ہاتھ ملانے سے بھی گئے

جب کہ والدین اور اپنوں سے نہ ملنا عین محبت بن گیا، یادوں اور فاصلاتی ملاقاتوں سے کام چلانا ہے، بس ہر حال میں انہیں یاد رکھنا ہے، یہی رشتوں کی خوبصورتی ہے، بقول فراز:

قربتیں لاکھ خوبصورت ہوں
دُوریوں میں بھی دل کشی ہے ابھی

سبق (۴۱) اچانک دنیا بھر کے اسلحے خانے کوما میں چلے گئے، بم بارود، ٹینک، مشین گن اور توپ وتفنگ کا استعمال کم ہوا، اس طرح فضائی آلودگی میں کمی آئی، جرم ضعیفی کو راحت ملی۔

سبق (۴۲) ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ جلال، جمال اور مال یعنی طاقت، خوبصورتی اور پیسے ہمیشہ کام نہیں آتے، یہ ہمیں وہ آکسیجن بھی فراہم نہیں کر سکتے جس کے لیے ہم جنگ لڑ رہے ہیں، یہاں دعا اور دوا کا ہنر ہی کام آتا ہے :

اب بھی مالا مال ہے میرا ہنر
سامنے سے میرے سیم و زر اُٹھا

سبق (۴۳) حضرت انسان! آپ ضرور رونق محفل ہیں، لیکن اتنے بھی اہم نہیں جتنا خود کو سمجھتے ہیں، آپ کے بغیر آب وہوا، زمین وآسماں، ستارے وسیارے، آفتاب وماہتاب، بر وبحر سب بخیر ہیں، جب آپ واپس آئیں تو یاد رکھیں کہ آپ ان سب کے مہمان ہیں، ان کے آقا نہیں :

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے محفل کی

سبق (۴۴) چڑیا خانوں میں جانوروں کا درد سمجھ میں آیا، خیر ان کو تو لوگ دیکھنے بھی آتے ہیں، آج ہمیں گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے اور کوئی دیکھنے بھی نہیں آتا، غالب برضا ورغبت قرنطینہ بنانا چاہتے تھے، آج ہمیں بادل ناخواستہ یہ ''نعمت'' حاصل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

سبق (۴۵) اکثر لوگ گھر سے کام کر سکتے ہیں، کہا جاتا ہے: گھر گئے تو گھر گئے، آج معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک بہانہ ہے۔

سبق (۴۶) ہم اور ہمارے بچے فاسٹ فوڈ یا جنک فوڈ کے بغیر صرف حلال وطیب پر بھی گزارا کر سکتے ہیں۔

سبق (۴۷) فلمی ستارے اور کھیل تماشے دکھانے والے ''بالر'' اور ''فٹ بالر'' غیر ضروری تفریح کا سامان تو ہیں، وہ ہمارے ہیرو نہیں۔

سبق (۴۸) کورونا ظالموں کے لیے ایک استحصالی ہتھیار ثابت ہورہا ہے :

● ستم گر مغرب کے لیے، اسے عمر رسیدہ لوگوں کو مارنے کا بہانہ چاہیے، آج وہاں بہت سے بچے کورونا کو اپنے بوڑھے ماں باپ سے چھٹکارے کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ رہے ہیں، صرف ونٹی لیٹر ہٹانا ہوتا ہے۔

● کہا جاتا ہے کہ کچھ عرب ممالک کے لئے بھی (واللہ اعلم)، جنھیں غریب الوطن اور بے سہارا لوگوں کو صحراؤں میں بے یارو مددگار چھوڑ کر انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے کا ایک عنوان مل گیا ہے۔

● اور ہماری رنگ ترنگ، دیپک دیا اور ڈھول تاشے والی ناکارہ حکومت کے لیے تو نعمت عظمی، کہ کورونا کو کٹر مسلمان بتا کر قریب التکمیل ہندوراشٹر کی عمارت کو جلدی جلدی مکمل کرلیں؛ لیکن انہیں نہیں معلوم کہ ان کے ادارے اللہ کے ارادے سے باہر نہیں، انجام کار یہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے :

فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ ۔ (الشعراء:۲۲۷)

اور جو ظلم کرنے والے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔

سبق (۴۹) منصوبہ بندیوں کی اہمیت اپنی جگہ؛ لیکن حد سے زیادہ آپ اپنی منصوبہ بندی اور پلاننگ پر اعتماد نہیں کرسکتے، کبھی منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور تقدیر اپنا کام کرجاتی ہے۔

ایک مخضرمی شاعر ابوذؤیب خویلد بن خالد ہذلی (وفات: ۲۶ھ) گزرے ہیں، جن کے چار پانچ بیٹے ایک ہی سال طاعون کے شکار ہوکر راہئ ملک بقا ہو گئے تھے، انھوں نے کہا ہے :

وَ إِذَا الْمَنِيَّةُ أَنْشَبَتْ أَظْفَارَهَا   أَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيْمَةٍ لا تَنْفَعُ

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو میں نے کسی دعا تعویذ کو بھی نفع بخش نہیں پایا۔

اور میر کہتے ہیں :

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

سبق (۵۰) شاپنگ مالز ضرورت کم، شوق زیادہ بیچتے ہیں، وہ بند رہیں تو زیادہ فرق نہیں پڑتا، جتنی ضرورت اتنے میں جینا ممکن ہے، اور بستی کے چھوٹے دکان داروں کو بے وجہ وقت گزاری کے لیے اخبار نہیں پڑھنے پڑتے، گاہک آتے رہتے ہیں، غریب کا بھلا ہوتا ہے اور مارکٹ کو سرمایہ داروں کی اجارہ داری سے نجات ملتی ہے۔

سبق (۵۱) اس زندگی میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا ضروری ہے، سانس بھی سنبھل کر اور چھینک بھی آداب کورونا کو بجالاتے ہوئے :

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

سبق (۵۲) اس دنیا میں کچھ بھی ہوسکتا ہے، نیتا بھی چپ چاپ زندہ رہ سکتے ہیں، کرونولوجی سمجھانے والے کورونالوجی سے ڈر سکتے ہیں، وزیر اعظم سیلفی کے بغیر بھی جی سکتے ہیں، اپنے بس میں کچھ نہیں، وہ سرکاری بس بھی نہیں جس کا پاس ابھی ویلڈ ہے، جہاز کی پشت پر اڑنے والے اب پیدل چلنے سے بھی ڈرتے ہیں، اور پیدل چلنے والے بھی ہمارے مزدوروں کی طرح لمبی لمبی مسافتیں طے کر سکتے ہیں۔

سبق (۵۳) فارغ لوگ زیادہ کہرام مچاتے ہیں، گھر میں نہیں تو سوشل میڈیا پہ، کہتے ہیں تالیوں اور تھالیوں کی طرح اندھیرے میں دیپ جلانا بھی ایک شور ہے جس سے نراشائیں ختم اور آشائیں پیدا ہوتی ہیں، پرکاش کی شکتیوں سے دھرتی اور آکاش کا اندھکار دم توڑ دیتا ہے؛ اس لیے جراثیم کی ماری ہوئی شبِ غم کے اس سناٹے میں برہمن سوتا ہے اور شیخ چراغاں کرتا ہے، اور لوگ چیخ اُٹھتے ہیں کہ :

مجھ پہ تہمت صنم پرستی کی
شیخ صاحب خدا خدا کیجئے

سبق (۵۴) بے تحاشہ کھانا برباد کرنے والوں کو آٹا، چاول، پیاز اور ٹماٹر جیسی ''معمولی چیزیں'' بچانے کی بھی فکر ہوسکتی ہے، لذت کام و دہن زمیٹو میں ہی نہیں اپنے ٹمیٹو میں بھی ہے۔

سبق (۵۵) معتبر خانقاہوں کی عزلت نشینی اور جائز ریاضتیں دلوں کی بیماریوں کے لیے اسی طرح مفید ہیں جس طرح قرنطینہ کی خلوتیں اپنی اور اپنوں کی جسمانی صحت کے لیے۔

سبق (۵۶) مے خانے بند ہوں تو غریب خانے پُر امن رہیں، روزانہ نشہ کی مار کھانے والی بیویاں شہزادیوں کی طرح جی سکتی ہیں، ہاں یورپ میں گھریلو تشدد اور بڑھ گیا ہے؛ چونکہ گرل فرینڈ سے ویڈیو کالز اب بیڈ روم میں ہی کرنی پڑتی ہیں۔

سبق (۵۷) تندرستی اور آزادی ایسی نعمتیں ہیں جن کا کوئی بدل نہیں، تندرستی نعمت ہے، ہمارے ملک میں تھوڑے بہت جو ''مودی بیزار'' خوش نصیب بستے ہیں ان کو اب یہ بات معلوم ہوئی، جبکہ آزادی کے چھن جانے کا احساس کم از کم چھ برس سے چیخ رہا ہے۔

ویسے ان کے علاوہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ چھن جاتی ہیں، آج یقین ہو گیا کہ مساجد میں جمعہ اور جماعت کی آزادی نعمت بے بدل ہے، جب دل چاہے گھر سے باہر نکل جانا ایک نعمت ہے، گھر کے اندر بھی ''ہٹو بچو'' کے بغیر آس پاس رہنا نعمت ہے، خرید وفروخت نعمت ہے، بچوں کا مدرسہ اسکول اور بڑوں کا کاروبار اور ڈیوٹی پہ جانا نعمت ہے، مصافحہ نعمت ہے، اپنے عزیزوں، چاہنے والوں اور پڑوسیوں سے ملنا نعمت ہے، جس چائے خانہ میں جی چاہے دو گھڑی بیٹھ کر چائے کی چسکیاں لینا نعمت ہے، اچھی خبریں پڑھنا نعمت ہے، جی بھر کر بے خوفی سے چین کی سانس لے پانا نعمت ہے، چھینکنا نعمت ہے، الحمدللہ کے جواب میں کسی مؤمن کا رحمت کی دُعا دینا اور پھر چھینکنے والے کا اس کے جواب میں ہدایت اور خیریت کی دعا دینا نعمت ہے، آج دل کہتا ہے :

وہ دُھوپ ہی اچھی تھی اس چھاؤں گھنیری سے
وہ جسم جلاتی تھی یہ روح جلائے ہے

سبق(۵۸) اگر دنیا اپنی تمام رونقوں کے ساتھ اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر برابر بھی ہوتی تو وہ اپنے بے وفاؤں کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ کرتا، جبکہ آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے کہیں بڑھ کر ہے جو صاحب ایمان ہیں اور تقوی اختیار کرتے ہیں، عقلمند ہیں وہ لوگ جو آخرت پر نظر رکھتے ہیں، اور وہاں کی جنت کے مشتاق ہیں :

> جہاں وہ ان باغوں میں ہوں گے جن میں بغیر کانٹے کی بیریں ہوں گی، تہہ بہ تہہ کیلے ہوں گے، گھنی چھاؤں ہوگی، بہتا ہوا پانی ہوگا، بہت سارے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے نہ ان سے روکا جائے گا، اونچے اونچے فرش ہوں گے، کنواری، پیاری پیاری، اور ہم عمر حوریں ہوں گی۔(الواقعۃ:۲۷-۳۸)

سبق(۵۹) قدرت کے رازوں پر پڑے تہ بہ تہ پردے اٹھانا علم انسانی کے بس میں نہیں، کورونا کیا ہے؟ جتنے منہ اتنی باتیں سنتے جائیں: جراثیمی یا حیاتیاتی ہتھیار(Biological weapon)، فائیو جی ٹاورز کی تابکاری، قدرتی آزمائش، چین کو دبانے کی امریکی سازش، سوپر پاور بننے کی چینی خواہش وکاوش، اور نہ جانے کیا کیا، جب کہ حقیقت کا علم رب کائنات کے پاس ہے جس کا فرمان ہے: ''إِنِّیْ أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ''(البقرۃ:۳۰) [میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے]''وَمَا أُوْتِیْتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِیْلاً''(بنی اسرائیل:۸۵)[اور تم کو تو بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے]۔

سبق(۶۰) دنیا بدل رہی ہے، یہ دنیا اب ویسی کہاں رہ گئی ہے جیسی مہاماری کے تجربہ سے پہلے تھی،

ایسا لگتا کہ اس وقت جولوگ اس مرحلہ سے صبر وشکر کے ساتھ گزر جائیں گے، اور خدا کے فضل سے بچ جائیں گے، وہ آنے والی نسل کو بتاسکیں گے کہ کورونا سے پہلے کی دنیا کا رنگ ڈھنگ کیا تھا، آثار بتارہے ہیں اس کے بعد کی دنیا سیاسی، سماجی، معاشی، طبی اور مذہبی ہر سطح پر بہت بدلی ہوئی ہوگی۔

سبق (۶۱) کہتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد شاید پہلی بار کسی غیر معمولی واقعہ نے دنیا کے اتنے بڑے رقبہ کو متاثر کیا ہے، آج ۹/اپریل ۲۰۲۰ء تک تقریباً ۲۱۰/ممالک میں ساڑھے ۱۵/لاکھ لوگ اس کی لپیٹ میں ہیں، ۹۰/ہزار لوگ لقمۂ اجل بن چکے ہیں، ہلاکتیں تو اس سے زیادہ بھی کئی بار ہوئی ہیں؛ لیکن یہ برق رفتاری، یہ ہمہ گیریت، یہ بے بسی، یہ ویرانی، یہ نفسا نفسی، شاید چشم فلک نے ایسا منظر اس بڑے طوفان کے بعد کبھی دیکھا ہو۔

سبق (۶۲) ۱۱/۹ کے واقعے نے بھی دنیا کو بدل دیا تھا، دنیا یک قطبی (Unipolar) بن چکی تھی، اور اس طرح امریکہ بہادر دنیا کی واحد قوت بننے کا دعویدار تھا، کافی دنوں سے اس کو دو قطبی (Bipolar) بنانے کی بات چل رہی ہے، یعنی یہ خواہش جنم لے چکی تھی کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی کو امریکی اور چینی اقتداروں میں تقسیم کردیا جائے، کورونا اچانک آیا اور دونوں کو اس نے احساس دلایا کہ کائنات کا اقتدار صرف ایک ذات کے ہاتھ ہے، تم سب اس کے آگے ہیچ ہو، جب چاہو اس کی ویکسن ایجاد کرکے اس کو چیلنج نہیں دے سکتے :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَلَا فِيْ الْاَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيْماً قَدِيْراً ۔ (الفاطر: ۴۴)

اور اللہ کو آسمان وزمین کی کوئی چیز ہرا نہیں سکتی، یقیناً اللہ خوب جاننے والے اور بڑی قدرت والے ہیں۔

سبق (۶۳) ہمارا یقین تھا کہ اللہ کے لشکر ہیں، قرآن کہتا ہے :

وَ لِلّٰهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً ۔ (الفتح: ۷)

آسمان وزمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والے ہیں۔

لیکن ریفرنس اور کانفرنس کی دنیا میں جینے والوں اور خصوصاً خدا بیزاروں کے نزدیک ان باتوں کی حیثیت خیالی پلاؤ سے زیادہ کی نہیں؛ چوں کہ ان کے نزدیک جو چیز نظر اور تجربہ میں نہ آئی ہو اس کا وقار واعتبار نہیں، اس وقت شاید ماننے والوں کا یقین بڑھ رہا ہے، اور نہ ماننے والوں نے شک سے یقین کا سفر شروع کردیا ہے کہ اللہ کے لشکر آسمان وزمین میں پھیلے ہوئے ہیں۔

سبق (۶۴) کورونا سے پہلے دنیا یہ جانتی تھی کہ غیر مہذب حرکتیں تیسری دنیا کا مقدر ہیں، اب معلوم ہوا کہ

تہذیبوں کے ٹھیکیدار اور انسانی حقوق کے علم بردار ماسک جیسی معمولی شے پر لوٹ مار کر سکتے ہیں، مجبوری بہت کچھ کرا دیتی ہے؛ اسی لیے کسی پر ہنسنے سے منع کیا گیا ہے۔

سبق (٦٥) یہ بھی معلوم ہوا کہ چیزوں کی اہمیت ان کی ضرورتوں کے اعتبار سے ہوتی ہے، سونے کا پہاڑ غلہ کے انبار کی جگہ نہیں لے سکتا، پٹرول کو زرسیاہ یا کالا سونا کہا جاتا ہے آج ان کی ضرورت کم سے کم تر ہوگئی ہے، آج کل تو فیس ماسک کو بعض لوگ ''سفید سونا'' کہنے لگے ہیں، ڈاکٹروں اور طبی اہلکاروں نے فوج کی جگہ لے لی ہے، خدا کرے اس صورت حال سے فکر انسانی میں دور رس تبدیلیاں واقع ہوں۔

سبق (٦٦) انٹرنیٹ اپنی بہت سی مضرتوں کے ساتھ موجودہ تھمی ہوئی دنیا میں لوگوں کا بہترین ساتھی ہے، یونیورسٹی آف برمنگھم کی سفارش ہے کہ انٹرنیٹ استعمال کرنے کے حق (right to broadband) کو انسانی حقوق میں سے ایک بنیادی حق شمار کرنا چاہیے، آج میڈیا، ویڈیو کانفرنس، ضروری رابطوں، تدریس وتعلیم اور بالعموم گھر سے کام (work from home) کے لیے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

سبق (٦٧) کورونا ہمیں ایک نئے زاویہ سے شکر کی تلقین کر رہا ہے کہ اگر کورونا باہر نہیں گھروں کے اندر ہی اپنی جگہ بنالیتا اور یہ کہا جاتا کہ گھروں کو خالی کردیں گویا آگ لگی ہو تو ہمارا کیا ہوتا، جب کہ آج ہمیں اپنے گھروں میں یہ گنگنانے کا حق تو ہے :

زمانے کو لہو پینے کی لت ہے
مگر پھر بھی یہاں سب خیریت ہے
ہمارا گھر بہت چھوٹا ہے لیکن
ہمارا گھر ہماری سلطنت ہے

سبق (٦٨) ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا محاورہ تو اپنی جگہ درست ہے؛ لیکن یہ محاورہ اور جاندار ہے کہ: ''اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی''، کہا جاتا ہے: ''إِنَّ اللهَ يُمْهِلُ وَلا يُهْمِلُ'' (وہ چھوٹ دیتا ہے چھوڑ نہیں دیتا)، ''فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ'' (تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟)۔

سبق (٦٩) زمانہ کبھی یکساں نہیں رہتا، نہ دنیا ہمیشہ کسی کا ساتھ دیتی ہے، عربی کا مشہور مقولہ ہے: ''دَوامُ الْحَالِ مِنَ الْمُحَالِ'' (ناممکن ہے کہ ایک ہی حالت ہمیشہ باقی رہے، اور اس میں کوئی تغیر نہ واقع ہو) کورونا نے اس مقولہ کو سچ کر دکھایا ہے، اور بہ ظاہر ناممکن کو ممکن بنا دیا ہے۔

کون جانتا تھا کہ اکڑی ہوئی گردن اور تنے ہوئے سینے والا امریکی صدر کسی باؤلے خبطی کی طرح میکسیکو کی

جگہ ماسک کی بات کرے گا، اور چین کو چھوڑ کر ملیریا کی دواہائیڈروکسی کلوروکین میں الجھے گا، اور امریکی سینیٹ(Senate) کے معزز ارکان جو سینیٹرز (Senators) کہلاتے ہیں وہ سینیٹائزر (Sanitizer) پر جھگڑے کریں گے!!

سبق (۷۰) زیادہ تر شعبوں میں عورتیں گھروں سے آن لائن آفس کے کام کرسکتی ہیں، اور اس طرح ان کو محفوظ ترین جاب فیسلیٹی فراہم کی جاسکتی ہے، حریت نسواں کا علمبردار مغرب جس نے عورت کو چراغ خانہ سے شمع محفل بنایا، اور آفس سکریٹری کے لیے کسی خوبرو دوشیزہ سے کم پر راضی نہیں ہوتا، وہ آج مردوں کو بھی ورک فروم ہوم کی تاکید کررہا ہے، اس عارضی صورت حال کے ختم ہونے پر کم ازکم کارپوریٹ ورلڈ کی صنف نازک کے حق میں یہ تھیوری کارگر رہے گی، کاش مغرب اس کا تجربہ کرے، اور تقلید پر نازاں مشرق اس ''اولڈ فیشن'' کو بے تکلف اختیار کرلے۔

سبق (۷۱) نقاب یا حجاب ترقی میں مانع نہیں، بوالہوس کہا کرتے تھے: نقاب پاؤں کی زنجیر ہے، حجاب میں رہ کر کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا جاسکتا، نہ جانے کتنی نازنینوں نے اس الزام کے خوف سے نقاب رخ الٹ دی، اور پردۂ قامت اتار پھینکا، آج پرانی وضع کے نقاب کی مانند پی پی ای پہن کر بلکہ سر سے پاؤں تک پوری طرح باحجاب ہوکر عورتیں کیا مرد بھی کورونا کے نازک ترین علاج جیسا کام کررہے ہیں، اور یہ ان کے لیے لازمی ہے، کام کہاں رکتا ہے میرے بھائی! سمجھا کریں دنیا کے مہذب لوگ کہ آزادی کی بھی اپنی حدود ہوتی ہیں، اور ''مہذب'' ہونے کے لیے مذہب کو نظر انداز کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

سبق (۷۲) آزادی کے نام پر بے حیائی کو عام کرنے والے مغربی یا مغرب زدہ روشن خیال عورتوں سے شیک ہینڈ کے بغیر نہیں مانتے، اور منچلے ہوں تو بھری محفل میں یا سرِ بازار لب و عارض کو چوم لینے سے بھی گریز نہیں کرتے، کورونا ان کی تربیت کررہا ہے کہ یہ لایعنی رسم عاشقی ہے، آج جس طرح تم عورتیں کیا مردوں کے سامنے بھی ہاتھ جوڑے کھڑے ہو، اور پیر سے پیر ملا رہے ہو، سینہ پہ ہاتھ رکھ کے گردن جھکا رہے ہو؛ لیکن شیک ہینڈ کو تیار نہیں، بوس و کنار کے اسیر تھے، اب پاس آنے اور بغل گیر ہونے سے بھی ڈرتے ہو، کچھ سبق حاصل کرو اور صنف نازک کو عزت سے رہنے دو، اس میں ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں، عین انصاف ہے۔

سبق (۷۳) نماز کے وقت جہاں دکانیں بند رہتی ہیں، اور بعض عرب بڑی خوبصورتی سے نمازوں کے اوقات میں اپنی دکانوں پر ''اَلْمَحَلُّ مُغْلَقٌ لِلصَّلاۃ'' (نماز کے لیے دکان بند ہے) کی بجائے ''تَعَالَوْا نُصَلِّ مَعاً'' (آؤ ہم ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں) لکھ کر تختیاں آویزاں کردیتے ہیں، اللہ کے حکم کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے دس سے پندرہ منٹ دکان کا بند کرنا بہت سے دکانداروں اور گاہکوں کو شاق گزرتا تھا، آج اللہ نے

دس دس پندرہ پندرہ دنوں بلکہ مہینوں کے لئے ان کی دکانیں سرے سے ہی بند کرادی ہیں، اور وہ اس پر بھی شکر ادا کر رہے ہیں کہ کم از کم یہ تو کرم ہوا کہ کورونا ان کی زیارت کو نہیں آیا، یہی کافی ہے، اللہ کے بندو! تھوڑی دیر دکانیں بند کرلیا کرو، کچھ نہیں جاتا، اور برکت ہوتی ہے، کیا تم نے اپنے رب کا کلام نہیں سنا وہ ایسے لوگوں سے کتنا خوش ہوتا ہے :

فِیْ بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَن تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہُ یُسَبِّحُ لَہُ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ، رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَلَا بَیْعٌ عَن ذِکْرِ اللّٰہِ وَ إِقَامِ الصَّلَاۃِ وَ إِیْتَاء الزَّکَاۃِ یَخَافُونَ یَوْماً تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوبُ وَالْاَبْصَار ۔ (النور:۳۶-۳۷)

ان گھروں میں جن کا ادب کرنے کا اور جن میں اپنا نام لینے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کو یاد کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوادا کرنے سے غفلت میں نہیں ڈالتی، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

سبق (۷۴) دُکانیں کیا عشق کی دکانیں بھی بند ہیں، اور بندوں کے گھر کیا اللہ کے گھر بھی بند ہیں، حرمین شریفین کی نہ تھمنے والی سعی وطواف، اور حاضری وحضوری کی سرگرمیاں بھی موقوف ہیں، دیدۂ عبرت نگاہ سے دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ جب چاہتا ہے سب کچھ بند کرا کے بھی اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتا، آج اگر تمہارا دعوی ہے :

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

تو اپنے گھروں میں ہی اپنی جبین نیاز خم کردو، رب کریم مہربان ہے، وہ قبول کرنے والا ہے۔

سبق (۷۵) نہ صرف اللہ تعالی کی یہ بات سچی ہورہی ہے کہ :

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الاَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۔ (البقرۃ:۱۵۵)

اور ہم تم لوگوں کو خوف، بھوک، مال، جان اور پھلوں کے نقصان سے کچھ ضرور آزمائیں گے۔

بلکہ مزید ایک قدرت کا کرشمہ دکھایا جارہا ہے کہ ہم ایک ہی نادیدہ مخلوق کے ذریعہ بیک وقت یہ سب کچھ کرنے پر قادر ہیں۔

سبق(۷۶) بات چلتی صرف مالک حقیقی کی ہے، اسی کا کنٹرول اس کی مخلوقات پر قائم ہے، باقی جو کچھ ہے ہمارا وہم وگماں ہے، ہمیں وائرس سے نہیں اس کی باز پرس سے ڈرنا ہے، ارشاد ہے :

وَ إِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ كَاشِفَ لَهُ إِلاَّ هُوَ وَ إِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْر ۔ (الانعام:۱۷-۱۸)

اگر اللہ آپ کو نقصان پہنچانا چاہیں، تو اس کے سوا کوئی اور اسے دور نہیں کرسکتا، اور اگر نفع پہنچانا چاہیں تو ہر چیز اس کی قدرت میں ہے، وہ اپنے بندوں پر غالب بھی ہیں اور بے حد حکمت والے اور نہایت باخبر بھی۔

سبق(۷۷) جان پر بن آتی ہے تو حلال وحرام کی تمیز آنے لگتی ہے، پہلا موقع ہے کہ ''گراں خواب چینی سنبھلنے لگے'' ہیں اور چینی حکومت کی طرف سے خوراک کی عادت بدلنے کے رخ پر قدم اٹھایا جارہا ہے، کتوں اور بلیوں کو مویشی اور پولٹری کے طور پر استعمال کئے جانے والے جانوروں سے الگ کیا جارہا ہے، سائنسدانوں اور چینی حکومت کا ماننا ہے کہ یہ وائرس جنگلی جانوروں سے چمگادڑ میں آیا اور وہاں سے انسان میں منتقل ہوا، گویا ۶۰ ر فیصد متعدی بیماریوں کی طرح یہ وائرس بھی حیوانی آزار (Zoonoses) ہے۔

یہ چینی مال کماتے ہیں محنت ومہارت کے حلال راستوں سے؛ لیکن کھانے میں ''حرام خوری'' سے باز نہیں آتے، اللہ وہ دن دکھائے کہ ان کو سمجھ آئے اور چین میں دین کا غلبہ ہو۔

سبق(۷۸) ماہرین نفسیات کے مطابق بروقت فیصلہ لینے (Decision Making) یا مشکل مسئلہ کو حل کرنے (Problem Solving) کی صلاحیتیں بہتر نظم ونسق کے لیے ناگزیر ہیں، اس کے بغیر ایڈمنسٹریشن کی حیثیت اس انسان کی ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جی رہا ہو، کورونا نے سبق سکھایا کہ ہمیشہ دیر سے فیصلہ کرنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی، خواہ ایسا کسی حکومت کی طرف سے ہو، منتظم کی طرف سے یا پھر فرد کی طرف سے، وہ بہر حال بلائے جاں ہوتا ہے۔

داخلی احتجاج کے شاعر منیر نیازی کی یاد آ گئی، آج ان کے یہ اشعار گنگناتا ہوں تو دل ناداں کو تسکین ملتی ہے :

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو
اسے آواز دینی ہو اسے واپس بلانا ہو ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں

مدد کرنی ہو اس کی یار کی ڈھارس بندھانا ہو بہت دیرینہ رستوں پر کسی سے ملنے جانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو
کسی کو یاد رکھنا ہو کسی کو بھول جانا ہو ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں
کسی کو موت سے پہلے کسی غم سے بچانا ہو حقیقت اور تھی کچھ اس کو جا کے یہ بتانا ہو
ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں

سبق (۷۹) انسان جب اپنے آشیانہ یا قفس میں بند ہوتا ہے تو باہر کی دنیا میں بہت سے خیر بھی وجود میں آتے ہیں، کووڈ-انیس نے جو تالا بندی کرائی ہے، اللہ کی پناہ! اور وہ بھی ایسی کہ معلوم ہوتا ہے ماحولیات کے تحفظ، جرائم وحادثات کی روک تھام، مسخ شدہ انسانی ضمیر کی از سر نو تعمیر اور ہر قسم کی ضروری مرمت کے لیے روئے زمین کو بند کر دیا گیا ہے۔

اور بہ ظاہر یہ کام ستم گر انسان کو نظر بند کئے بغیر ممکن نہ تھا، بی بی سی اُردو کے معروف کالم نویس اور تجزیہ کار وسعت اللہ خان نے اپنے کالم ''بات سے بات'' میں ایک مضمون لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: ''کرۂ ارض ضروری مرمت کے لئے بند ہے''، میں اس موضوع پر اپنے معنی مقصود کو ادا کرنے کے لئے اس سے بہتر پیرایہ میں ہرگز نہیں لکھ سکتا؛ اس لئے بلا تکلف ان کی اس خوبصورت تحریر کا بڑا حصہ یہاں نقل کرتا ہوں :

> جس کھڑکی کے قریب بیٹھ کر میں لکھائی پڑھائی کا کام کرتا ہوں، اسی کھڑکی کے باہر کونے میں چڑیا نے آج اپنا گھونسلہ مکمل کر لیا، اس کی آٹھ نو سہیلیاں اور ایک طوطا مبارک باد دینے آئے ہیں، ایک چہچہاتی ہاؤس وارمنگ پارٹی چل رہی ہے؛ حالاں کہ یہ سب مجھے دیکھ رہے ہیں مگر ان کی چوں چوں اور ٹیں ٹیں میں کوئی وحشت نہیں، ویسے بھی کمرے میں مقید جاندار سے کسی کو کیا ڈرنا، فیض صاحب جب تخت گرا رہے تھے اور تاج اچھال رہے تھے یا پھر وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے ہم دیکھیں گے لکھ رہے تھے تو انھیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن یہ نظمیں انسان کے سوا کرۂ ارض کے ہر جاندار اور تازہ ہوا کو ترستے آسمان کا ترانہ بن جائیں گی، پچھلے دو، تین ماہ سے جو ہو رہا ہے شاید اس زمین پر پہلے کبھی نہیں ہوا، جسے ہم ترقی کا کارخانہ سمجھ رہے تھے اس کے پہیے کو ایک نادیدہ دشمن نے روک دیا، دو سو سے زائد لکیریں جو انسانوں کو روکنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزے کے اسپیڈ بریکرز بنا کر اس زمین پر کھینچی گئی تھیں یک لخت بے معنی ہو گئیں۔

آگے لکھتے ہیں :

سنتے آئے تھے کہ جاگیردار کو جب کسی معزز حریف کی عزت خاک میں ملانا ہوتی تو گاؤں کے سب سے نچلے راندۂ درگاہ شخص سے سرِعام جوتے لگواتا تھا تاکہ یہ قصہ نسل در نسل یاد رہے، آج فطرت ایک گھٹیا وائرس کے ہاتھ میں جوتا پکڑا کر اشرف المخلوقات کا وہی حشر کر رہی ہے اور جسے جوتا پڑ رہا ہے وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کا مستحق نہیں، سنا ہے اب تک عالمی اسٹاک مارکیٹ میں ڈھائی سے تین ٹریلین ڈالر پانی ہو گئے، جانے ان تین ٹریلین ڈالرز میں سے کتنی رقم ایمان داری سے کمائی گئی ہو گی اور کتنا پیسہ کتنے لوگوں کا خون چوس کر، کتنے کروڑ درخت کاٹ کر، کتنے لاکھ ایکڑ زمین ریپ کر کے، کتنے بچوں کا دودھ اور نوالہ چھین کر، کتنی ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ کر کے، کتنا سود وصول کر کے اور کتنی محنت سے کرپشن کر کے جمع کیا گیا، آنے والے دنوں میں اسٹاک ایکسچینج اور اجناس کی منڈی کے ساتھ مزید کیا ہونے جا رہا ہے؟ سب وقت کی دیوار پر لکھا ہے، جس دنیا کے آدھے وسائل اور دولت ایک سو انسانوں یا ان کی کمپنیوں کے قبضے میں ہوں ایسی جنت شداد کیسے کسی دیدہ و نادیدہ دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن سکتی ہے۔

مزید بڑے دلکش پیرایہ میں اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں :

ایک ایک انچ زمین کے لئے لاشیں بچھا دینے والے، ایک دوسرے سے خوفزدہ ہو کر اسلحے کے انبار لگانے والے اور ہر ہاتھ میں بندوق پکڑا دینے کے خواہش مند، ایک دوسرے کی منڈیاں اغوا کرنے والے منصوبہ ساز، اپنے عقیدے اور اقدار کو دوسرے پر تھوپنے اور انکار کی صورت میں بستیاں تاراج کر دینے والے، جنگلی حیاتیات کو بے گھر کرنے والے، ترقی وخوشحالی کے سراب کے اسیر ہو کر فطری بقا کے بنیادی اُصولوں کی دھجیاں اڑانے والے اور اپنے طبقاتی، مذہبی، ثقافتی تحفظ کے دھوکے میں دیواریں بلند تر کر کے ان کے پیچھے چھپنے والے اور اپنے سمیت ہر مخلوق کو ادنیٰ و برتر میں بانٹنے والے آج ان سب کے مکھیا کہہ رہے ہیں کہ اگر دو ڈھائی کروڑ لوگوں کی قربانی لے کر بھی یہ وائرس ٹل جائے تو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سمجھنا کہ

سودا برا نہیں ، فی الحال تو میں اپنی کھڑکی کے باہر آدمی کے خوف سے آزاد گھونسلہ
بنانے والی چڑیا اور اس کی اچھلتی پھدکتی ہمجولیوں کی چہچہاتی خوشیوں میں مگن ہوں
اور اس کھڑکی بھر آسمان کو جی بھر کے دیکھ رہا ہوں جو جانے کب سے خالص نیلا
دکھنے کے لئے ترس رہا تھا، کرۂ ارض اس وقت ضروری مرمت کے لیے بند ہے
میرے مقید ہوئے بغیر یہ بھلا کہاں ممکن تھا؟

سبق (۸۰) کورونا ہر ایک کے لیے تازیانۂ عبرت بنا ہوا ہے، عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، سمجھا جاتا ہے کہ عقلِ کل کے مالک حکمرانوں کو بھی ذرا ہوش آیا ہے، اور ان میں بعض تو وعظ بھی کہہ رہے ہیں: ''صَارَ فِرعَونُ وَاعظاً وَمُذَکِّرا''۔

ان کو اچھا خاصا سمجھ میں آنے لگا ہے کہ لوگوں کو گھروں میں مقفل کر کے ملک نہیں چلایا جا سکتا، سوسائٹی بلڈنگ اور گورننس دونوں پر اس کے ناقابل تلافی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سرمایۂ انسانی (Human Capital) یا افرادی وسائل (Human Resources) کے بغیر حکومت کی گاڑی نہیں چل سکتی، اس کے باوجود ان سنگین حالات میں بھی ظالم حکمرانوں کی رعونت، نخوت اور بنیادی انسانی مسائل سے چشم پوشی؛ بلکہ قصداً انسانی حقوق کی پامالی کا سلسلہ جاری ہے، کاش حکومت کو سمجھ میں آئے بقول منور رانا کہ :

ایک آنسو بھی حکومت کے لئے خطرہ ہے
تم نے دیکھا نہیں آنکھوں کا سمندر ہونا

سبق (۸۱) بھوک اور افلاس کی مار جھیلنا مشکل کام ہے، اور بھوک مٹانے کی مہم کو کامیابی اور سلیقہ سے سرانجام دینا مشکل ترین، ماشاء اللہ غریبوں کی مدد کا کام حسب توفیق جاری ہے، اور اس میں اور اضافہ کی اُمید قوی ہے؛ چوں کہ جود وسخا کا مبارک مہینہ ماہ رمضان دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔

لیکن خاموش ضرورت مندوں کو خاموشی سے دینا اس وقت کا بہت بڑا تقاضا ہے، آپ کے محلہ کے امام، مؤذن، مسجد کی خدمت کرنے والے نصیبہ ور، اور اس قسم کے نہ جانے کتنے گمنام لوگ کسی دست غیب سے مدد کے منتظر ہوتے ہیں، اور وہاں سے جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا، خدارا ان کی غیرت کا سالانہ امتحان نہ لیا جائے، غیرت وخودداری سے بڑھ کر انسان کے پاس اپنی رہی سہی عزت بچانے کا کوئی سامان نہیں، افسوس کہ بھوک کی بھی مارکیٹنگ ہوتی ہے۔

امدادی کاموں کا تصویری ریکارڈ رکھنا آج کل فلاحی اداروں کی مجبوری ہے، اور ویسے بھی اگر سائل خود اپنے

سوال کو نہ چھپائے اور علانیہ دینے میں دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہو تو قرآن حکیم کے حکم کے مطابق ''فَنِعِمَّا هِيَ'' دکھا کر دینا بہتر ہے۔

اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ پیشہ ور گداگروں کے ساتھ سفید پوشوں کی بھی تصویریں اتاری جائیں، اور تصویریں کیا زاہدانہ زندگی گزارنے والے جسموں پر برسوں سے پڑی استغنا کی چادریں اتار لی جائیں۔

او نابکار انسان! دلآویز تبسم تو تیرے چہرہ پر ہے، ایک وضعدار انسان کی جھکی ہوئی نگاہیں اور کیمرہ سے چھپتا ہوا یا چبھتا ہوا انداز تمہیں نظر نہیں آتا:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے

سبق (۸۲) چھوٹی موٹی ذاتی ضرورتوں کی تکمیل اپنے طور پر کر لینے کی عادت ڈالنا ضروری ہے، مثلاً: ہیر کٹنگ یا سر کے بال تراشنے کی مشق، سر مونڈنا ہو تو زیادہ مہارت کی ضرورت نہیں، گو کہ یہ بھی بازیچۂ اطفال نہیں، اور زیادہ تر لوگ شرم کے مارے اس حد تک جاتے بھی نہیں۔

ہاں زلفوں کی تراش خراش، ان کو سنوارنے نکھارنے کا کام بہر حال سب کے بس کا نہیں، گھر میں ایک دو افراد کو اگر اس سے واقفیت ہو تو ''کم خرچ بالانشیں'' پر عمل بھی ہو جائے، ورنہ حجامت بنانے میں ''حجامت بن جائے'' تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

سلائی کڑھائی کے ہنر سے واقف کار خواتین اپنے سوٹ اور بچیوں کے فراک تو تیار کرلیں گی، خاوند اور بچوں کے کرتے بھی سینا آتا تو آج ان کا حقیقی جوہر سامنے آتا، کاش ان میں جو Creative Minded ہیں وہ اب بھی یوٹیوب کی مدد سے عید کے مردانہ کرتے تیار کرنا سیکھ جائیں تو رمضان کی ڈھیر ساری دعاؤں سے بہرہ ور ہوں، اور ان کی عیدی میں خاطر خواہ اضافہ ہو جائے۔

اسی طرح الیکٹریشین، پلمبر اور میکانک بھائیوں سے جڑے ہوئے کچھ کام بھی آپ اسی زمرے میں رکھ سکتے ہیں، اگر یہ کام ہمیں آتے ہوں تو ہمارے پنکھے ہوا دیتے رہیں، ہمارے نلوں میں پانی آتا رہے، اور گاڑیاں سر راہ ہمیں پیدل نہ کردیں۔

سبق (۸۳) مصیبت کے وقت دوست دشمن کی پہچان ہوتی ہے، عربی مثل ہے: ''الصديق عند الضيق'' اس مقفل دنیا میں یہ طے کرنا بھی آسان ہو گیا کہ ووٹ اپنے علاقہ کے موقع پرست نیتاؤں اور جھوٹے سیاست دانوں کو نہیں کس مخلص امیدوار کو دینا ہے؟ چندہ چندہ خور زر پرستوں کو نہیں دینا ہے، کس فکرمند، ہمدرد، اور فعال رفاہی و تعلیمی ادارہ کے سپرد کرنا ہے؟ جان و دل کسی نیم حکیم کے نہیں، کس طبیب حاذق کے حوالہ کرنا ہے؟ دین و ایمان کے مسائل کسی نیم ملا سے نہیں، کس جید عالم دین سے پوچھ کر حل کرنے ہیں؟

سبق (۸۴) وبائیں انسانی المیہ کا سبب بنتی ہیں، مگر بہت کچھ سکھا جاتی ہیں، نئے کورونا وائرس جیسی عالمگیر وبا یقیناً انسانی المیے کا سبب بنے گی، البتہ تاریخ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ وبا کے بعد تخلیق اور ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

قرون وسطی میں سیاہ طاعون کی وبا کے بعد بھی ایسا ہی ہوا اور ایک صدی قبل پہلی عالمی جنگ کے بعد ہسپانوی فلو کی عالمی وبا کے بعد بھی جس میں کروڑوں افراد اپنی جانوں کی بازی ہار گئے تھے۔

سبق (۸۵) بعض مغربی ممالک کا حقوق انسانی کی بات کرنا سفید جھوٹ معلوم ہوتا ہے، اور شاید سب سے زیادہ سفید جھوٹ ''سفید گھر'' (White House) میں بولے جاتے ہیں۔

سبق (۸۶) جان بچانے والا ایک وینٹی لیٹر جان لینے والے ٹینک سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور صحت کا تحفظ کرنے والے شفا خانوں کی تعمیر صحت کو برباد کرنے والے شراب خانوں، جوا کے اڈوں (Casino)، سنیما گھروں اور رقص گاہوں بلکہ بے گناہ انسانوں کے لیے بنائے گئے عقوبت خانوں اور بے ضرورت شاہی محلوں کی تعمیر سے زیادہ ضروری ہے۔

سبق (۸۷) کوئی بھی ملک جب شدید بحرانی دور سے گزرتا ہے تو اس وقت اس کی اخلاقی قدروں، اس کے صبر وضبط، اور اس کی معاملہ فہمی کا اصل امتحان ہوتا ہے، ہمارا ملک چاہے اس عالمی وبا یعنی ویشوک مہاماری کی جنگ جیت جائے لیکن مسلم ہندو کی مارا ماری نے اس کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔

بھارت میں جمہوریت کے یوں تو سارے ستون زمین پر آ چکے ہیں؛ لیکن چوتھا ستون جسے میڈیا کہتے ہیں، اس طرح زمیں بوس ہوا ہے کہ اب اس کے ملبے بھی نہیں ملتے، کہا جاتا ہے کہ جس ملک کو فری پریس کی دولت نہ ملی ہو وہاں خبریں کھوٹے سکوں کی طرح برسر اقتدار پارٹی کی ٹکسال میں ڈھلتی ہیں، اور اس طرح ملک کا حقیقی چہرہ شہریوں کی نظروں سے غائب ہوتا چلا جاتا ہے، پھر جو وہ دیکھتا ہے وہ مانتا ہے، اور جو وہ مانتا ہوا آیا ہے اسے دکھایا نہیں جاتا یا وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔

گزشتہ زمانے میں خبریں پہلے چھپتی تھیں پھر بکتی تھیں، اب پہلے بکتی ہیں پھر چھپتی ہیں، قلمکار اور مصور کسی قوم کے آئینہ دار ہوتے ہیں، افسوس یہاں آئینے اس قدر غبار آلود ہیں کہ جھوٹ بھی نہیں بول سکتے، بس بدنما چہروں کا دھندلا سا عکس دکھا دیتے ہیں، ''ہم بھارت کے لوگ'' (We the people of India) سے اپنے آئین کی تمہید کا آغاز کرنے والا یہ ملک آج اس موڑ پہ کھڑا ہے کہ یہاں ہم اور تم کی تفریق پر حکومتوں کے پہیے گھوم رہے ہیں، اب آگے تصادم کے سوا کیا رہ جاتا ہے؛ لیکن ہمیں اسی سے بچنا ہے۔

عالمی وبا کی اس اداس اور مغموم دنیا میں جہاں محبت، محنت اور ڈسپلن سے حالات پر قابو پانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، ہمارا ملک نفرت کی اسی روش پر قائم ہے جس کے خلاف ملک کے امن پسند شہری مہینوں سے صدائے احتجاج بلند کررہے ہیں، اور مجھے پورا یقین ہے کہ ملک جیسے ہی غسل صحت سے فارغ ہوگا، شاہین باغ کی تحریک نئے رنگ وآہنگ اور نئے نعروں کی گونج کے ساتھ واپس آئے گی، بس :

عنا دل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

یہاں کورونا کے ہر مثبت کیس کو تبلیغی جماعت کے کارکنوں یا عام مسلمانوں سے جوڑا جارہا ہے، دوسری طرف مدھیہ پردیش و گجرات کے حکومتی ایوانوں میں کورونا کا ڈیرا ہے؛ لیکن میڈیا میں یہ خبریں آدھی ادھوری شرما حضوری کے ساتھ چلائی جارہی ہیں۔

اس پروپیگنڈہ کا اثر یہ ہے کہ ایک غریب سبزی فروش کو محلہ میں صرف اس لیے سبزیاں فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی کہ اس کا نام جاوید ہے، سنجے نہیں، اس کو اپنے چھوٹے سے کاروبار کے لیے گاہکوں کو آدھار کارڈ دکھانا پڑے گا، بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کے لیے داخلہ کو ممنوع قرار دیا جارہا ہے، تف ہے ایسی جمہوریت پر، بلکہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی سب سے اوچھی اور نیچ حرکت پر جو کبھی معاف نہیں کی جائے گی :

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

دنیا کے زیادہ تر ملکوں میں کورونا کسی نہ کسی کے سر مڑھا جارہا ہے، بھارت کو بھی ایک بَلی کے بکرے (Scapegoat) کی بڑی شدت سے تلاش تھی جسے عربی میں "کبش الفداء" کہتے ہیں، وہ مسلمانوں کی شکل میں اس کو مل گیا ہے، دیکھیں بکرے کی ماں یعنی مادر وطن کب تک خیر منائے گی۔

سبق (۸۸) تمام حکومتیں حتی الامکان کورونا کے پھیلاؤ سے بچنے کے لیے قیدیوں کو رہا کررہی ہیں، کورونا اس ناممکن کو ممکن بنارہا ہے کہ قید وبند کی زندگی گزارنے والے ایسے لوگ جو معمولی جرائم میں قصوروار پائے گئے ہوں یا انڈر ٹرائل ہوں یا عمر رسیدہ ہوں، یا بچے اور عورتیں ہوں، انہیں جیلوں سے رہا کیا جاسکتا ہے، اور بے گناہ ہوں تو یوں بھی وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

مصر اور سعودی عرب کی جیلوں میں جرم بے گناہی کی سزا کاٹ رہے ملک کے انتہائی معزز شہریوں کو رہا کرنے کا اس سے بہتر وقت کیا آئے گا؛ لیکن مصر کا صدر سیسی تو خود ایک طاعون مجسم ہے، اور سعودی شہزادہ محمد بن سلمان ایک بیمار انسان، کاش تیزی سے دنیا کے بدلتے حالات اور قابو سے باہر ہوتے حادثات انہیں بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے دے جائیں۔

اور جس حکومت وقت نے خوابوں کی سرزمین کشمیر یعنی جنت بے نظیر کو جہنم بنانے کی کوشش کی اس کو بھی دن

رات کورونا کا رونا یہ سبق دے جائے کہ اگر وہاں کے شہریوں کو آزاد فضا میں جینے کا حق نہ دو گے تو تم بھی چین کی سانس نہ لے سکو گے۔

سبق (۸۹) کورونا سے بچاؤ کے دباؤ میں خواہی ناخواہی دنیا کے لوگ رفتہ رفتہ انٹرنیٹ سے استفادہ کے عادی ہو رہے ہیں، یہ چوتھی نسل (4G) سے پانچویں نسل (5G) کا سفر ہے، ایسا معلوم ہوتا کہ کورونا کے بعد کی دنیا میں زندگی کے اکثر شعبوں کا ڈیجیٹل لائزیشن (عددی نگارش) ہوجائے گا، گھر سے کام کاج، ویڈیو پر رابطہ کاری، انٹرنیٹ کے ذریعہ خریداری، آن لائن تعلیم، ایچ ڈی (High-definition video) میٹنگس اور ورکشاپس وغیرہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا، پھر جو ہوگا وہ آنے والا وقت ہی سچ سچ بتائے گا، فی الحال تو زوم ایپ نے سکہ جمالیا ہے۔

سبق (۹۰) کورونا نے بتایا ہے کہ بلاتحقیق وثبوت خبریں، دوائیں، سپنے اور فتوے عام کرنا ہماری ایسی مضبوط عادتیں ہیں جو انتہائی نازک حالت میں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں، کورونا سے متعلق بہت سی سازشی تھیوریز، افواہیں دنیا بھر میں گردش کر رہی ہیں، کیا پڑھا لکھا کیا ناخواندہ، کیا امیر کیا غریب، کیا بوڑھا کیا جوان، کیا ڈاکٹر کیا حکیم، سب کورونا کے بارے میں حسب توفیق اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

طرح طرح کے ٹوٹکے اور احتیاطیں بتا رہے ہیں، گرم پانی کی افادیت سے انکار نہیں؛ لیکن اب تو اسے ایسا اکسیر بتایا گیا ہے کہ پیاس بجھے نہ بجھے، گرم پانی پی پی کر پیاسے لوگ اس گرم موسم میں خود بھی گرم مزاج ہوتے جارہے ہیں، افسوس سب محض اندازوں پر بات کر رہے ہیں، اور کسی اندازہ اور دعوی کی سوشل میڈیائی عمر چوبیس گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

سبق (۹۱) خبروں کے مطابق دنیا بھر میں کورونا کی زد میں آنے والے اب تک کے کم وبیش ۲۳/ لاکھ لوگوں میں جہاں ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے جان کی بازی ہاری ہے وہیں تقریباً ٦/لاکھ لوگ شفایاب بھی ہوئے ہیں، دنیا کی کل آبادی ساڑھے ۷/ارب سے متجاوز ہوچکی ہے، اس اعتبار سے بھی چار مہینوں سے طوفان مچانے والے اس وائرس نے آدم کے بیٹوں کا کچھ زیادہ نقصان نہیں کیا ہے، اور گھروں میں بند ہونے کی وجہ سے روز باہر کی دنیا میں جو حادثات رونما ہوتے ہیں ان میں بھی قابل لحاظ کمی آئی ہے، ہم اسی پہلو پر نظر رکھیں، ہمارے لیے راحت واطمینان کا باعث ہوگا۔

سبق (۹۲) موجودہ وبا میں ہمیں پوری احتیاط کرنی ہے، ماہرین کی ہدایات پر عمل کرنا ہے، حکومت جو پابندیاں لگا رہی ہے ان کو ماننا ہے اور اس کے بعد ہر انجانے خوف اور خدشات سے خود کو آزاد کرنا ہے، خود کو عدم

توازن (Imbalance) کا شکار ہونے سے بچانا ہے، خوف اور خدشات اپنے اور دوسروں کے لیے مسائل میں اضافہ کرتے ہیں اور ایک صحت مند معاشرہ کو خواہ مخواہ وہم کا مریض بنا دیتے ہیں، اور وہم کا علاج تو لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔

وقت کی قدر و قیمت

سبق (۹۳) کورونا کے زمانہ میں فراغت کے اوقات بڑھ گئے ہیں، اور اسی دوران رمضان کا مبارک مہینہ بھی آ گیا ہے، اب تو اس کا دوسرا عشرہ بھی شروع ہو چکا ہے، ایسے میں تنظیم وقت (Time Management) کے اُصولوں کو کام میں لاتے ہوئے ان اوقات کو خوب سے خوب تر بنانا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ نے جن پانچ چیزوں کو غنیمت جان کر ان سے فائدہ اُٹھانے کی تعلیم دی ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ: ''فراغک قَبلَ شُغلِک'' [مصروفیت سے پہلے فراغت کے اوقات کو غنیمت جانو]۔(۱)

ہم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم زندگی کے اس سب سے قیمتی سرمایہ کو اپنے ہاتھوں ضائع کر رہے ہیں، رحمت عالم ﷺ نے ہمارا حال بیان فرما دیا تھا کہ :

نِعمتانِ مغبونٌ فِیہِما کثِیرٌ مِن الناسِ ؛ الصِحّۃُ والفَراغُ۔ (۲)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ گھاٹے اور دھوکے میں ہیں: صحت اور فرصت کے لمحات۔

پھر فراغت کا وقت تو انسان خصوصاً ایک نوجوان کے لیے بسا اوقات ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے، عباسی دور کے حکیم شاعر ابوالعتاہیہ نے کہا تھا :

إنّ الشبابَ والفراغَ والجِدۃ مَفسَدۃٌ لِلمَرءِ أیَّ مفسدۃ

بے شک جوانی، خالی وقت، اور مالداری، یہ تین چیزیں انسان کو برباد ہی کر کے چھوڑتی ہیں۔

آج ہم اسی فراغت کے دور سے گذر رہے ہیں؛ لیکن افسوس کے فارغ البالی اور آسودہ حالی نہیں، وقت تو خالی ہے مگر ذہنی یکسوئی میسر نہیں، پوری دنیا لاک ڈاؤن کے بعد کی صورت حال کے تصور سے خوف زدہ ہے، ایسے میں رمضان المبارک کے لمحات کا میسر آ جانا اہل ایمان کے لیے اللہ کی بڑی نعمت ہے، ہم ان کرب زدہ لمحات میں

(۱) مستدرک حاکم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۷۸۴۶۔ (۲) بخاری، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۴۱۲۔

ماہ مبارک کی قیمتی ساعتوں کا بہتر استعمال کرتے ہوئے خود کو اُلجھن، ڈپریشن، ضرورت سے زیادہ فکر معاش اور خیالی تراش خراش سے بچا سکتے ہیں۔

ہم اپنے ان اوقات کو تعلق مع اللہ، حقوق العباد کی درجہ بہ درجہ ادائیگی، اپنی فیلڈ کے ضروری کام اور پھر آرام کے لئے مناسب انداز سے تقسیم کر سکتے ہیں جن میں بڑا حصہ اس ایمانی و روحانی موسم میں وقت پر نماز کی ادائیگی، زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن، اللہ تعالیٰ سے دُعا ومناجات اور مراقبہ کے لئے خاص ہونا چاہیئے۔

نہ ہے زماں نہ مکاں لاالہ الااللہ

سبق (۹۴) اکثر مسلمانوں کو رنج ہے کہ ہمیں مسجد جانے کی اجازت نہیں تو رمضان کا کیا لطف ! اور حکومت کا رویہ بھی وہی ہے جو اکبر الہٰ آبادی نے کہا تھا :

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ہر ضروری کام کے لیے چھوٹ مل رہی ہے؛ ناچ رنگ اور شراب و کباب کی مجلسیں ہو چکی ہیں، اسی درمیان مے خانے بھی کھل گئے اور انگور کی بیٹی کے عاشق چوبیس گھنٹہ میں کروڑ ہا کروڑ کی شراب پی گئے؛ لیکن پورے آدابِ کورونا کے ساتھ بہت مختصر تعداد میں بھی مساجد میں نماز پڑھنا جرم قرار دے دیا گیا ہے، تبلیغی جماعت ایک عنوان ہے، نشانہ پہ ہر ہر مسلمان ہے، مسلم شناخت کی وجہ سے کس مسلمان کو کب ہجومی تشدد کا سامنا پڑے کوئی نہیں جانتا، مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ ایک اتفاق نہیں لاک ڈاؤن فاشزم ہے، اور ایک خفیہ ایجنڈا ہے جس سے جلد از جلد ماسک ہٹانا ضروری ہے۔

بہر حال وباؤں کے خصوصی احکام شریعت میں بھی موجود ہیں، اور الحمد للہ ہمارے علماء نے اب تک جماعت، جمعہ، روزہ، تراویح اور اعتکاف وغیرہ پر خصوصی ہدایات جاری کر دی ہیں، عن قریب عید کی نماز کے احکام بھی آ جائیں گے؛ اس لیے سر تسلیم خم ہے، ویسے ایک مومن کے دل کو اللہ کی یاد سے کہاں روکا جا سکتا ہے، وہ یاد الٰہی میں آزاد ہے، علامہ ابن تیمیہ نے اپنے شاگرد عزیز ابن قیم جوزیہ کو قید خانہ سے لکھا تھا :

میرے دشمن میرا کیا بگاڑیں گے، میری جنت اور میرا باغ میرے دل میں ہے، میں جہاں کہیں بھی رہوں وہ میرے ساتھ ہے، میرا قید میں ہونا اللہ کے ساتھ خلوت ہے، میرا قتل ہو جانا شہادت ہے، میرا شہر بدر کیا جانا سیاحت ہے۔

جرأت اور جذبۂ قربانی

سبق (۹۵) سلف صالحین نے روزہ کی حقیقت کو سمجھا تھا، وہ رمضان میں دن کے وقت سرگرم عمل ہوتے تھے، اور راتوں کی تنہائیوں کو آہوں اور گرم گرم آنسوؤں کے چراغ سے روشن رکھتے تھے، مجاہدین جہاد کرتے تھے؛ چنانچہ بڑی بڑی جنگی مہمات اسی ماہ مقدس میں سر کی گئیں، ۲ھ میں بدر کا واقعہ ہو یا ۸ھ میں فتح مکہ کا، ۱۵ھ میں جنگ قادسیہ ہو یا ۹۲ھ میں فتح اندلس، ۴۷۹ھ میں معرکۂ زلاقہ (جنوبی اسپین) ہو یا ۶۸۵ھ میں معرکۂ عین جالوت، ۵۸۴ھ میں معرکۂ حطین ہو یا اکتوبر ۱۹۷۳ء کی چوتھی عرب اسرائیل جنگ یہ سب اور ان جیسے دسیوں جاں گسل معرکے اسی مہینہ میں پیش آئے، اور مجاہدین بے جگری سے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے، اور اکثر میں فتح وکامرانی نے قدم چومے۔

مسلمانوں سے یہ مطالبہ کورونا کے زمانہ میں آنے والے رمضان میں بھی ہے کہ وہ محاذ پر ڈٹے رہیں، اور ملک میں بڑھتے ہوئے زینوفوبیا (Xenophobia) اور اسلاموفوبیا کے ماحول میں نفرت پھیلانے والوں کا سرگرم تعاقب کریں، جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ کے جیالوں کو قید وبند کی صعوبتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، دہلی اقلیتی کمیشن کے سربراہ ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں پر ملک سے غداری کے الزامات کے تحت کیس درج کیا جا رہا ہے، ان کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے خلیجی ممالک سے ہندوستانی مسلمانوں کی حمایت میں اٹھنے والی بعض غیور آوازوں کی تائید کی تھی، اور نفرت انگیزی کی مخالفت کی تھی، خان صاحب نے ایک باحمیت مسلمان کا کردار ادا کیا جب کہا کہ ملک میڈیکل ایمرجنسی کے دور سے گزر رہا ہے اس لیے میں ابھی اس بحث کو چھیڑنے کے لیے معذرت خواہ ہوں؛ لیکن ایف آئی آر، گرفتاری یا قید کی وجہ سے میں ڈرنے یا جھکنے والا نہیں۔

اس وقت مسلمانوں کو اسی جرأت ایمانی اور جذبۂ قربانی کی ضرورت ہے، کورونا کی وجہ سے ہمارا جنوں فارغ نہیں بیٹھ سکتا، ہمیں شعور بیداری مہم، سماجی ہم آہنگی کی کوششوں اور ملکی قانون کی پاسداری کے ساتھ ساتھ پوری حکمت مگر جرأت وشجاعت کے ساتھ حق بات کہنی پڑے گی، اس راہ میں اگر کسی جانب دار حاکم کی بے جا دھمکیاں، کسی ضمیر فروش صحافی کی گیدڑ بھبکیاں اور کسی موقع پرست لیڈر کی طفل تسلیاں حائل ہو گئیں، لال پیلے، ہرے نیلے، سیاہ وسفید، گلابی وزعفرانی کھلے اور چھپے دشمنوں کی پہچان نہ کی گئی، طوق وسلاسل اور دار ورسن کی آزمائشوں کا خوف ہمارے حوصلے پست کرتا رہا اور توڑے کو قبول کر کے کوڑے سے بچنے کی تدبیریں کی گئیں تو خدا کی قسم ہم معاف نہیں کئے جائیں گے۔

یاد رکھیں قیامت کے دن امام ابوحنیفہؒ یا امام احمد بن حنبلؒ کی پشت جس پر دُرّے لگے تھے اس سے کم نہیں چمک رہی ہوگی جتنی عبادتوں سے ان کی پیشانیاں، اب صرف آتش بیاں خطیب کی نہیں آتش بجاں قائد کی ضرورت ہے جس کے انتظار میں آنکھیں تھک چکی ہیں، کوئی سجدہ کررہا ہے، کوئی سجدہ سہو، کوئی ٹی وی ڈبیٹ کی بیت بازی میں الجھا ہوا ہے اور کوئی سکوت کو ہر مسئلہ کا حل سمجھتا ہے، اور جاں بلب قوم کا حال یہ ہے کہ :

اکیلا صبح تک تڑپا مریض شام تنہائی
نہ وہ آئے ، نہ چین آیا ، نہ نیند آئی نہ موت آئی

عید سادگی سے بھی منائی جاسکتی ہے

سبق (۹۶) کس نے کہہ دیا کہ عید میں نئے کپڑوں کے بغیر روزے قبول نہیں ہوتے، موقع ہے کہ شام کے پناہ گزینوں، غزہ وکشمیر کے محصور لوگوں، میانمار کے ستم رسیدہ بوسیدہ لباس انسانوں اور پابہ زنجیر ایغور مسلمانوں کے درد وکرب کو محسوس کرتے ہوئے خیر سگالی کے طور پر ہی سہی اپنے پرانے کپڑوں، بے روغن دیواروں اور بے نور چراغوں کے ساتھ عید کو سعید بنایا جائے اور مفت میں کورونا پھیلانے کے الزامات سے نجات کا تحفہ ہاتھ آجائے تو اس سے بڑھ کر اس وقت امت مسلمہ ہندیہ کی کوئی خدمت نہیں ہوگی۔

پلازما ڈونیشن بے مروت لوگ بھلادیں گے؛ لیکن عید کی خریداری کے نہ ہونے کا معاشی بحران وہ اندر اندر بھلا نہ پائیں گے اور شاید اسی طرح کبھی احساس ہوجائے کہ اس اللہ کی زمین پر اللہ کے نام لیوا بھی زندہ رہنے کا جواز رکھتے ہیں، ویسے بھی کہا گیا ہے :

لیس العِید لِمن لبِس الجدِید إِنّما العِید لِمن أمِن الوعِید
عید اس کی نہیں جس نے نیا لباس زیب تن کیا، عید تو اس کی ہے جو روز قیامت مامون ومطمئن ہوگیا۔(۱)

علامہ ابن رجب نے ''لطائف المعارف'' میں دوسرا مصرع یوں لکھا ہے: ''إِنّما العِید لِمن طاعاتُه تزِید'' [عید اس کی ہے جس کی عبادتوں میں اضافہ ہوجائے]۔(۲)

بعض لوگ ''خاف یوم الوعید'' بھی کہتے ہیں، بہر حال جو بھی ہو مراد یہ ہے کہ عید صرف نئے نئے کپڑے پہننے اور انواع واقسام کے کھانوں سے کام ودہن کی لذت کا سامان کرنے سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ یہ خوشی ومسرت کے مناسب اظہار کے ساتھ رمضان کی عبادتوں پر توفیق کے لیے اللہ کے شکر واحسان شناسی، اور اس کی عظمت وبڑائی بیان کرنے کا وقت ہے، اور مومن کی اصل عید تو دیدار الٰہی کے انعام سے ہوگی، قرآن مجید میں فرمایا گیا :

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱۰۶۰/۳۔ (۲) لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف: ۲۷۷/۱۔

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں نہ کہ دشواری، اور چاہتے ہیں کہ (روزہ کی) مقررہ تعداد پوری کرلو، نیز اللہ نے تم کو ہدایت عطا فرمائی ہے، اِس پر اللہ کی بڑائی بیان کرواور اس کا شکرادا کرو۔(البقرہ:۱۸۵)

یہ اصل انسانی اخلاق کے امتحان کا وقت ہے، ابھی زندگی کے ہر پہلو پر ایک کثیف غبار ہے، اور وسعت حیات سمٹ کر ایک چھوٹے سے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، جب مطلع صاف ہوگا تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی نصف آبادی سخت ترین مالی حالات سے دوچار ہونے جارہی ہے، معلوم نہیں کہیں لاک ڈاؤن کھلتے ہی بھوکے ننگے لوگ کم یا زیادہ مال والوں کو نوچ نہ لیں۔

آپ اگر تعلیم یافتہ ہیں تو اس کے بعد کی صورت حال کے لیے منصوبہ بندی کیجئے، رفاہی تنظیمیں لوگوں کو اپنے پیروں پر دوبارہ کھڑا کرنے کی پلاننگ کریں، نہ جانے حکومت کیا کرے گی! کاش انٹرٹینمنٹ انڈسٹری اور بے جا شوق پورے کرنے کے کھیل تماشے روک کر شہریوں کی روزی روٹی پر توجہ دی جائے، حالات بڑی سرعت سے بدلیں گے، کہیں غریبوں کی آہیں ایوانوں کے چراغ گل نہ کردیں، اگر آپ کسی ادارہ کے سربراہ ہیں تو اپنے ماتحتوں کے لیے کوئی بہتر حل نکالنے کی کوشش کیجئے، صرف لفظی اظہار ہمدردی سے ان کا بھلا نہیں ہوگا بلکہ لطف خاص اور نگاہ کرم کی ضرورت ہے :

اس کے لطف عام کو غیرت نہیں کرتی قبول
اور میں کم بخت لطف خاص کے قابل نہیں

ان کے اندر مابعد کورونا کے حالات کو سوچ کر اور اداروں کی مشکلات کو دیکھ کر مایوسی پیدا ہورہی ہے، اس وقت ایک دوسرے پر اعتماد میں تیزی سے کمی پیدا ہورہی ہے، کون کس کو سرراہ چھوڑ دے، کچھ معلوم نہیں، ایسے میں ایک دوسرے کو سہارا دینا بہت بڑی خدمت عبادت ہوگی۔

یادِ وطن

سبق (۹۷) فطرتِ اِنسانی کو وطن کی محبت سے گوندھا گیا ہے، اوراس طرح وطن کی محبت انسانی خمیر میں رکھ دی گئی ہے، امام ذہبیؒ نے لکھا ہے :

كانَ يُحِبُّ عَائِشَةَ ، ويُحِبُّ أَبَاهَا ، وَيُحِبُّ أُسَامَةَ ، وَيُحِبُّ سبْطَيْه ، وَيُحِبُّ الْحَلْواءَ وَالْعَسلَ ، وَيُحِبُّ جَبَلَ أُحُدٍ ، وَيُحِبُّ وَطَنَه ۔

رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہؓ، ان کے والد (حضرت ابوبکرؓ) اسامہؓ، اپنے دونوں نواسوں، میٹھی چیز، شہد اور اپنے وطن سے محبت تھی۔

چھٹی صدی ہجری میں مکہ کے گورنر حجازی شاعر قتادہ بن ادریس حسنی (۶۱۷ھ) نے ایک شعر کہا تھا جس میں کسی نے تضمین کر دی، اور اب یہ شعر حب وطن میں اس طرح چل پڑا :

بِلادِي وِ إِنْ جَارَتْ عَلَيَّ عَزِيْزَةٌ　　وَاَهْلِيْ وِ إِنْ ضَنُّوْا عَلَيَّ كِرامُ

میرا وطن اگر مجھ پر ظلم بھی کرے مجھے عزیز ہے، اور میرے گھر والے میرے ساتھ بخل بھی کریں تو وہ میرے نزدیک محترم ہیں۔

وبا یا کسی افتاد کے زمانہ میں وطن کی یاد اور بڑھ جاتی ہے، حدیث میں ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے اور ابتدا میں ان کو وہاں اس جگہ کی آب وہوا موافق نہ آئی، اکثر مہاجرین بیمار ہو گئے، ان میں صدیق اکبرؓ، عامر بن فہیرہؓ اور حضرت بلال ابن رباحؓ بھی تھے، بخار نے انہیں پریشان کر دیا۔

حضرت بلالؓ کو جب افاقہ ہوتا تو یہ شعر پڑھتے :

أَلاَ لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ أَبِيْتَنَّ لَيْلَةً　　بِوَادٍ وَحَوْلِيْ إِذْخِرٌ وَجَلِيْلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ　　وَهَلْ يَبْدُوَنَ لِيْ شَامَةٌ وطَفِيلُ

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کیا پھر ایک رات وادئ مکہ میں گزار سکوں گا اور میرے چاروں طرف اذخر اور جلیل (مکہ مکرمہ کی گھاس) کے جنگل ہوں گے اور کیا میں کبھی مجنہ (مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک بازار) کے پانی پر اُتروں گا، اور کیا پھر کبھی شامہ اور طفیل (مکہ کے قریب دو پہاڑوں) کو میں اپنے سامنے دیکھ سکوں گا۔(۱)

رسول اکرم ﷺ کی دُعاء سے مدینہ منورہ کی آب وہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوشگوار ہو گئی۔

کورونا بحران نے وطن سے دوری ومجبوری کا زخم اور ہرا کر دیا ہے، اور لوگ بے تابانہ اپنے گھروں کو پہنچنا چاہتے ہیں کہ :

حُب　وطن　از　ملک　سلیماں　خوشتر
خار　وطن　از　سنبل　وریحاں　خوشتر

انسان کی نگاہ میں وطن کی محبت حضرت سلیمانؑ کی اقلیم سلطنت سے بہتر اور وطن کا کانٹا بھی سنبل وریحان سے زیادہ عزیز تر ہوتا ہے

(۱) بخاری، کتاب المرضی، باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ، حدیث نمبر: ۳۹۲۶۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

سبق (۹۸) کورونا بحران نے صاف کر دیا کہ مزدور کمزور اور مجبور ہے، اس کا کوئی پرسان حال نہیں، کام یاروں کا بقدر لب و دنداں اسی مزدور سے نکلتا ہے، مزدور نہ ہو تو نہ یہ عالیشان کوٹھیاں ہوں نہ لہلہاتے سبزہ زار، نہ عارض ولب کے لیے غازہ، نہ آنکھوں کا کاجل، نہ حسن کا جوبن، نہ نومن تیل، نہ رادھا کا رقص، نہ ساغر و مینا کی کرامات، نہ مشینوں کے کل پرزے، نہ کارخانوں کی چمنیاں، نہ چمچاتی سڑکیں، نہ گنگناتے ہائی وے، نہ ریلوے کی بل کھاتی پٹریاں، نہ طیران گاہوں کی رونقیں، نہ دستر کی لذت، نہ بستر کا گداز، نہ کولر کی ہوا، نہ اے سی کی مستیاں؛ لیکن کڑے وقتوں میں انہیں کو بھلا دیا گیا ہے۔

حکومت کہتی ہے ہم نے ۲۰ رلاکھ کروڑ کا اعلان کر دیا اس کی چھٹی ہوگئی، اس حکومت کا ہر کام ایسا ہی جیسا ملا واحدی نے جب انقلاب نامی میگزین نکالنا چاہا تو اشتہار دیا: ''انقلاب آئے گا'' اور جب پہلا شمارہ چھپ کر آ گیا تو اس پر اشتہار میں درج تھا: ''انقلاب آ گیا''۔

تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل عرب کے ریگستانوں میں اسلام کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے سب سے پہلے مزدوروں کے حق میں اس وقت آواز اٹھائی جب آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَعْطُوْا الأَجِيْرَ أَجْرَه قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُه''(۱) ''مزدور کو اس کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے ادا کر دو''۔

حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''اِخْوانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ'' (یہ تمہارے ہی بھائی ہیں، انسان ہیں آدم اور حوا کی نسل سے ہیں)، تمہارے خدمت گار ہیں اللہ نے انھیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ حکم دیتے ہیں:

> فَمَنْ كانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِه فَلْيُطْعِمْهُ مِمّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمّا يَلْبَسُ ، وَلا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ ۔
>
> تو جس شخص کے ماتحت اللہ نے اس کے کسی بھائی کو کر دیا ہو تو اسے چاہیے کہ جو کھانا وہ خود کھاتا ہے اسے بھی کھلائے اور جو لباس خود پہنتا ہے اسے بھی پہنائے، وران پر اتنا بار نہ ڈالو جس سے وہ دب کر رہ جائیں اور اگر ایسی مشقت ڈالنی لازم ہی ہو جائے تو اس کام میں خود بھی شریک ہو جاؤ اور ان کی مدد کرو۔

---

(۱) ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب أجر الأجیر، حدیث نمبر: ۲۴۴۳۔

ہمارے وزیر اعظم نے کہہ دیا ہے :

کرونا بحران کا سب سے بڑا اسبق ہمیں یہ ہے کہ ہمیں خود کفیل بننا پڑے گا۔

اور اس طرح سارے وعدے ہوا ہو گئے، اقبال نے سچ کہا تھا :

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

یکم مئی یوم مزدور سب مناتے ہیں؛ لیکن اسی مہینہ میں ان کے ساتھ ایسا بھونڈا مذاق کیا گیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی، شاید دنیا کے کسی ملک میں مزدوروں کا یہ حشر ہوا کہ ان کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا ہو، مالک نے کام سے نکالا، وہ مرتے کیا نہ کرتے اپنے دور دراز علاقوں کی طرف پیدل ہی رواں دواں ہو گئے، نہ جانے کتنے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اب تک میڈیا کی سچی جھوٹی رپورٹ کے مطابق پیدل گھر لوٹتے خانماں برباد مزدوروں میں ۲۳ ہر کی موت ہو چکی ہے، اور ۸۳۳ زخمی ہو چکے ہیں، حقیقت کا حال اللہ کو معلوم۔

یاد رکھیں غریبوں کی بستیوں کا خیال نہیں رکھیں گے تو امیروں کی آبادیاں بھی محفوظ نہیں رہیں گی، فیصلے کرتے وقت کمزور طبقے کے بارے میں سوچنا ہوگا، امیروں کا جزیرہ جس میں غریبوں کا سمندر ہو کبھی ترقی نہیں کرسکتا، دنیا میں لاک ڈاؤن کرتے وقت غریبوں کا نہیں سوچا گیا۔

مشکل حالات میں قناعت

سبق (۹۹) مشکل حالات میں قناعت اور کفایت شعاری زندگی کو گذار دینے کے لیے واحد حل ہے، ہم اپنے آپ کو جدھر چاہیں ادھر پھیر سکتے ہیں :

وَالنَّفْسُ راغِبَةٌ إذا رَغَّبْتَهَا   فَإذا تُرَدُّ إلى قَلِيْلٍ تَقْنَعُ

دل کو راغب کروگے تو وہ راغب ہوگا، اور اگر تھوڑے پر راضی کرلوگے تو راضی ہو جائے گا۔

طاعون عمواس اور کورونا

سبق (۱۰۰) کورونا لاک ڈاؤن کی ابتدا سے ہی مجھے اسلام اور مسلمانوں کے دورِ حکمرانی میں وباؤں کے سلسلہ کی احتیاطی تدبیروں اور روک تھام کی کوششوں کا مطالعہ کرنے کی توفیق ملی، اس باب میں سب سے نمایاں تذکرہ طاعون عمواس (Black Death) کا ملا، ابن اثیر کی ''الکامل'' اور ابن کثیر کی ''البداية والنّهاية''

وغیرہ کی مراجعت کے بعد جو اسباق میں نے حاصل کئے، اور جن نتائج تک ہم پہونچے، ان میں سے کچھ کو ترتیب وار ذکر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں :

● عمواس اس وقت رملہ اور قدس کے درمیان واقع فلسطین کا ایک گاؤں ہے، یہیں سے طاعون کا آغاز ہوا اور پورے شام میں پھیل گیا، صہیونی ظالموں نے ۱۹۶۷ء میں اس گاؤں کو تاخت وتاراج کر دیا ہے۔

● یہ دلخراش حادثہ سرزمین شام میں سن ۱۸ھ میں پیش آیا۔

● شام کی ریاست مدینہ منورہ کی مرکزی اسلامی حکومت کے تابع تھی۔

● وہاں سے آنے والی خبریں خوش کن نہیں تھیں، کم وبیش ۳۰؍ ہزار افراد اس طاعون میں شہید ہوئے، جن میں صحابۂ کرامؓ بھی تھے، ان میں شام کے قائدین اور سرکاری عہدیداران بھی تھے، جن میں سرفہرست اس امت کے امین اور اس وقت ملک شام کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ بھی تھے، اور چند مشہور صحابہ میں حضرت معاذ بن جبل، یزید بن ابوسفیان اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نام آتے ہیں، شام کی تقریباً نصف آبادی ختم ہوگئی تھی۔

● لیکن یہ طاعون سرزمین شام سے باہر نہیں نکلا، اور مزید جانیں بچ گئیں۔

● سن ۱۷ھ کے اواخر سے امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام کے اپنے دوسرے سفر کے لیے تیاری کر رہے تھے، جب شام کی سرحد پر پہنچے تو ان کو الرٹ جاری کیا گیا کہ سرزمین شام بیمار ہے یعنی یہاں وبا پھیل گئی ہے، ابھی طاعون ابتدائی مرحلہ میں تھا۔

● حضرت فاروق اعظمؓ اور ان کے رفقاء مدینہ کو واپس ہو گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طاعون والی حدیث سنائی جس میں طاعون زدہ مقام پر باہر سے کسی کو جانے اور اس مقام پر موجود لوگوں کو باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے، جس سے فیصلہ لینا آسان ہوا۔

● حضرت عمرؓ نے شام سے آنے والی خبروں پر گہری نظر رکھی۔

● جب مسلسل صحابہ کی شہادت کی غم انگیز خبریں آنے لگیں تو مسلمانوں کی مبارک آبادی کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک حکمت عملی پر غور کرنا ناگزیر ہو گیا، مسلمانوں نے پہلی مرتبہ ابن عوفؓ کی نقل کردہ حدیث رسول پر عمل کیا، کوئی شام میں داخل نہیں ہوا اور نہ کوئی وہاں سے باہر نکلا۔

● گویا اسلامی حکومت نے ملک شام کے مکمل لاک ڈاؤن اور ایمرجنسی کا اعلان کر دیا، اس طرح وبا اندرون ملک ہی رہی، اور باہر نہیں پھیل سکی۔

● دوسرا منصوبہ ابوعبیدہؓ، معاذؓ اوران کی شہادت کے بعد مقرر کئے گئے والیٔ شام حضرت عمرو بن العاصؓ نے اہل شام کے لئے اندرون ملک بنایا، اور وہ تھا سوشل ڈسٹینسنگ اور آئیسولیشن کا طریقہ، وہ بھی طاعون زدہ بھری آبادی، جہاں تیسرا مرحلہ کمیونٹی ٹرانسمیشن کا شروع ہوگیا تھا، سے الگ تھلگ، اس کے لئے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ وہ صحت مند لوگوں کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے، اور وہاں نیشن کو ایڈریس کرتے ہوئے فرمایا :

أیها الناس ! اِنّ هذا الوجع إذا وقع فإنما یشتعل اشتعال النار ، فتجبّلوا مِنه فِی الجِبالِ۔

اے لوگو! یہ وبا جب پھیلتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے، تو پہاڑوں میں پھیل جاؤ۔

● اس طرح آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے لوگوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرکے وبا کو کنٹرول کیا گیا۔

اس کے علاوہ کورونا سے خود کو بچانے کے لیے آج جس قرنطینہ (Quarantine) پر عمل کرنے کی تاکید کی جارہی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا تصور مشہور مسلم طبیب شیخ الرئیس ابن سینا کے یہاں ملتا ہے، انہوں نے وبا زدہ مریض کو چالیس روز علاحدہ رکھنے کا نظریہ پیش کیا تھا، شاید اسی کو آج قرنطینہ یا کورنٹائن کا نام دے دیا گیا ہے۔

● ● ●

مطالعہ کے موضوع پر ترتیب دی گئی کتابیں، مختصر تعارف

مولانا محمد بشارت نواز ☆

نوٹ:- مطالعہ علمی غذا ہے جس کے بغیر علم کو قیام ودوام نصیب نہیں ہوتا، ماضی میں بھی بہت سارے اہل علم نے اپنے مطالعہ کی رُوداد اور سرگزشت سے دوسروں کے حوصلوں کو تحریک دی ہے، اور اسی مقصد سے بہت سے رسائل وجرائد نے بھی مطالعہ نمبر شائع کیا ہے جس میں نامور اہل علم نے اپنی مطالعاتی زندگی اور اس کے تجربات میں قارئین کو شریک کیا ہے، اسی کی ایک کڑی پڑوسی ملک پاکستان سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''النخیل'' کا مطالعہ نمبر بھی ہے، جس میں ہند و پاک کی نمایاں اور علمی اُفق پر تاباں شخصیات نے اپنے علمی ومطالعاتی تجربات پیش کئے ہیں، النخیل مطالعہ نمبر کی ابتدا میں مدیر مولانا بشارت نواز صاحب نے مطالعہ پر اب تک آئی کتابوں اور رسائل وجرائد کے مطالعہ نمبر کا تعارف پیش کیا ہے، اس کی افادیت کے تحت اسے ''بحث ونظر'' میں بھی شائع کیا جارہا ہے۔

کتاب ایک بے زبان استاد ہے، ایسا استاد جس سے اخذِ فیض میں کوئی حجاب اور رُکاوٹ نہیں ہوتی، جو تھوڑی سی توجہ پر اپنا سب کچھ طالب کے لئے پیش کردے، ایسا استاد جو اپنے طالب کی انگلی پکڑ کر علم ودانش کی راہ پر چلانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی صحبت، شوقِ علمی وذوقِ ادبی کی نمو کا سبب ہے، فرد کی شخصیت سازی، قوموں کی ذہن سازی اور ان کی صلاحیتوں کی تشکیل میں جس کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، اقوامِ عالم میں جہاں بھی اس کو گلے سے لگایا گیا، اِس نے انھیں شعور کی بلندیوں اور تہذیب وتمدن کے اعلیٰ مقام پر پہنچادیا۔

جن لوگوں کی زندگیاں کتابوں کے سنگ گزریں، اِس نے ان کو ایسا سنوارا اور نکھارا کہ انھیں معاشرے کا ممتاز فرد بنادیا، ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' کی ترتیب جدید کے مقدمہ میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم لکھتے ہیں :

☆ مدیر: ماہنامہ النخیل، پاکستان۔

> اگر غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ باصلاحیت شخصیتوں کی تشکیل میں تین اہم عوامل کام کرتے ہیں: ایک ان کے مربیوں کا، جن میں اولین مقام ماں باپ کا، پھر خاندان کے بزرگوں اور پھر گھر اور باہر کے ماحول کا ہوتا ہے، دوسرا عامل معلّمین اور اساتذہ کا ہوتا ہے، جن کے زیرِ اثر وہ شخصیت اپنی طالب علمی کا دور گزارتی ہے، تیسرا عامل ان کتابوں کا ہوتا ہے، جن کا مطالعہ وہ شخصیت اپنے نشو ونما کے زمانے میں کرتی ہے، یہ عوامل مختلف لوگوں کو، مختلف نوعیتوں اور مختلف اثرات کے لحاظ سے ملتے ہیں اور ان ہی نوعیتوں اور اثرات کے لحاظ سے اثر ڈالتے ہیں اور شخصیت سازی میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔

ایسی شخصیات جن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ کتابوں کی صحبت میں رہنے، کتابوں کے ساتھ اٹھنے، بیٹھنے، انھیں پرکھنے اور برتنے، انھیں چکھنے اور گھونٹ گھونٹ پینے میں گزرا ہو، وہ ان کی مٹھاس اور ان کی تلخی وترشی سے واقف ہوں تو علم وتحقیق کے میدان کے نو وارد، انھیں اپنی علمی اور اخلاقی شخصیت کی تعمیر میں اپنے لئے نمونہ اور معیار بنا سکتے ہیں۔

کتابوں کی اثر انگیزی اور شر انگیزی کے سلسلے میں اہلِ علم کی زندگی کے تجربات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے، یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون سی کتابیں قابلِ مطالعہ اور کون سی وقت کا ضیاع ہیں، کون سی کتابیں ایک بار اور کون سی بار بار پڑھنے کے قابل ہیں، مجھے کن کتابوں کو، کیسے پڑھنا ہے، اہلِ علم کے مطالعہ کے کیا انداز اور ان کے نظامِ مطالعہ کیا ہیں، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، ان نو واردوں کے بارے میں اسی مقدمے میں رقمطراز ہیں:

> اس صورت میں ان کو یہ بڑی فکر ہوگی کہ ان شخصیتوں کو دیکھیں کہ وہ اپنے نشو ونما کے زمانے میں کس راہ پر گام زن ہوئے اور کن بے زبان استادوں یعنی کتابوں سے اخذ فیض کیا تاکہ وہ بھی اسی راہ کے مسافر بن کر، اس منزل تک پہنچ سکیں، جن تک ان کے پیش رو پہنچے، وہ ان کتابوں کو جاننا چاہیں گے، جن کو ان کے ان پیش روؤں نے شوق اور استفادے کے جذبے سے پڑھا اور ان پر اپنی ذہنی توجہ اور ذوقی میلان کو مرکوز کیا اور اس طرح اپنے کو ان ہی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔

اسی وجہ سے مشہور اہلِ علم وممتاز شخصیات سے ان کی پسندیدہ اور محسن کتابوں کی معلومات حاصل کرنا، ایک محبوب مشغلہ رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

☆...... ۱۹۴۰ء کی دہائی میں مصر کے مشہور رسالہ ''الہلال'' میں ایک سلسلہ ''الکتب التی افادتنی'' کے عنوان سے شروع ہوا تھا، جس میں مصر کے نامور اہل قلم نے حصہ لیا جو مستقل اُسلوب اور دبستانِ فکر کے بانی تھے۔

☆ ......اسی طرح جنوری ۱۹۴۰ء میں ندوۃ العلماء کے ترجمان ماہنامہ ''الندوۃ'' میں، اس کے سہ بارہ اجرا کے چند مہینوں بعد ''میری محسن کتابیں'' کے عنوان سے ایک دلچسپ اور مفید سلسلہ مضمون شروع کیا گیا اور اس کے لئے ملک کی ممتاز شخصیات سے مضامین لکھوائے گئے، بعد میں ان مضامین کو جمع کر کے کتابی شکل میں ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابوں'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

☆ ...... ۱۹۶۴ء میں ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' (لاہور) کے مدیر سید قاسم محمود نے لوگوں کے مطالعے کی عادات کے بارے میں سروے کے ارادے سے ایک سوال نامہ سیارہ ڈائجسٹ میں شائع کیا، جس میں مشاہیر اہل علم کے علاوہ عام لوگوں نے بھی اپنے مطالعے کی عادات پر مشتمل مضامین لکھ کر بھیجے جو سیارہ ڈائجسٹ میں کچھ عرصہ تک شائع ہوتے رہے۔

☆ ......اسی طرح ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ہی ماہنامہ ''چراغِ راہ'' (کراچی) میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوا؛ لیکن زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہ سکا۔

☆ ......۱۹۷۶ء میں ماہنامہ ''الحق'' میں ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع ہوا، جس میں ملک اور بیرونِ ملک کے کئی نامور عمائدین، زعماء دانشوروں اور علماء کے مضامین شائع ہوئے، جنھیں بعد میں ''علمی اور مطالعاتی زندگی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

☆ ...... ۱۹۹۵ء میں محترم تابش مہدی دہلوی کے ہاتھوں ''میرا مطالعہ'' کے نام سے ایک کتاب وجود پذیر ہوئی، جو ان کے سوال نامے کے جواب میں موصول ہونے والے مطالعاتی زندگی پر مشتمل مضامین اور انٹرویوز کا مجموعہ ہے۔

☆ ...... ۲۰۰۲ء میں لاہور سے تعلق رکھنے والی علم دوست شخصیت، عرفان احمد بھٹی (مدیر ماہنامہ نوائے کسان) نے پاکستان کے نامور اہلِ علم و کتاب اور مشاہیر سے، ان کی مطالعاتی زندگی کے حوالے سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا، جنھیں ۲۰۱۶ء میں ای میل مطبوعات نے ''میرا مطالعہ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

۱- مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں

تحریک ندوۃ العلماء کے ترجمان ماہنامہ ''الندوہ'' کا اجرا، اگست ۱۹۰۴ء میں ہوا، مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی اور مولانا شبلی نعمانی اس کے ایڈیٹر تھے، چند ہی شماروں کے بعد الندوہ نے اپنی افادی حیثیت اہلِ نظر سے منوالی، چھ ماہ تک مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس کے ''سب ایڈیٹر'' رہے، مئی ۱۹۱۲ء میں اس کا پہلا دور ختم ہوا، کچھ عرصہ بعد ندوۃ العلماء کے ایک مدرس مولانا عبدالکریم صاحب کی ادارت میں اس کا دوبارہ اجرا ہوا اور دسمبر ۱۹۱۶ء میں یہ ماہنامہ دوبارہ بند ہوگیا۔

بائیس سال بعد جنوری ۱۹۴۰ء میں مولانا سید سلیمان ندوی کی نگرانی اور سرپرستی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی ادارت میں ''الندوہ'' کا سہ بارہ اجراعمل میں آیا تو چند مہینوں کے بعد ''میری محسن کتابیں'' کے عنوان سے ایک دلچسپ اور مفید سلسلۂ مضامین شروع کیا گیا اور ملک کی ممتاز شخصیتوں سے ان کی مطالعاتی زندگی کے حوالے سے مضامین لکھوائے گئے، تیسری مرتبہ اس کے اجراء کی مدت تین یا چار سال رہی، اہلِ علم کی طلب پر ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اس وقت کے مہتمم مولانا محمد عمران خان ندوی بھوپالی (م:۱۹۸۶ء) نے ''میری محسن کتابیں'' کے لئے لکھوائے جانے والے پندرہ مضامین کا مجموعہ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مضمون کے اضافے کے ساتھ، مکتبہ دارالعلوم کی طرف سے اپنے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا، پاکستان میں مجلس نشریات اسلام کراچی نے پہلی مرتبہ ۱۹۷۹ء اور پھر ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

ہندوستان میں طویل عرصہ تک اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا، ۲۰۰۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی کی ترتیب جدید، حواشی اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ ادارہ احیاء علم ودعوت، لکھنؤ سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، ترتیبِ جدید اور حواشی سے اس کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی، اس ایڈیشن میں اصل کتاب کے متن کی تحقیق، احادیث نبویہ اور اشعار کی تخریج وتحقیق، مختلف اقوال اور واقعات کے مصادر، کتاب میں مذکور تمام مشاہیر، اشخاص اور ''کتب'' کا مختصر تعارف اور ہر مضمون سے پہلے صاحبِ مضمون کا تعارف کرایا گیا ہے، اس ایڈیشن میں اصل کتاب ۲۰۹ صفحات تک، جب کہ حواشی صفحہ ۲۱۰ سے صفحہ ۳۹۶ تک محیط ہیں۔

کتاب کے پہلے مضمون نگار، ریاست حیدرآباد کے صدر الصدور اُمور مذہبی اور ندوۃ العلماء کے اساسی رکن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی (۱۲۸۳-۱۳۶۹ھ، ۱۸۶۷-۱۹۵۰ء) لکھتے ہیں:

> ایک ہی کتاب کو بہت سے لوگ پڑھتے ہیں، اثر مختلف لیتے ہیں، ایک ہی کتاب، ایک دل میں خشیتِ الٰہی، پاکیزگی اخلاق واخلاص پیدا کرتی ہے، دوسرے دل میں الحاد، شمرو اور اخلاق رذیلہ، اُسی کتاب کے مطالعے سے پیدا ہوتے ہیں، یہ فرق کیوں ہے؟ کتاب ایک، مطالب وہی.....فرق ہے تربیت، استعداد، قابلیت اور دل ودماغ پر صحبت کے اثر کا۔

مشہور محقق اور ادیب، بانی ماہنامہ معارف (۱) مولانا سید سلیمان ندوی (۱۳۰۲-۱۳۷۳ھ، ۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) اپنی محسن کتابوں کے تذکرہ کے ذیل میں ''تقویۃ الایمان'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) اس کا اجرا، ۱۹۱۶ء میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے ہوا، آج تک تسلسل کے ساتھ شائع ہورہا ہے۔

> یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم ومطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں، کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اُٹھے، مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں، ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکی۔

کتاب میں ان کے علاوہ مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۳۰۹-۱۳۹۷ھ، ۱۸۹۲-۱۹۷۷ء)، مولانا عبدالباری ندوی (۱۳۰۶-۱۳۹۶ھ، ۱۸۸۹-۱۹۷۶ء)، مولانا عبیداللہ سندھی (۱۲۸۹-۱۳۶۳ھ، ۱۸۷۲-۱۹۴۴ء)، مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۳۰۶-۱۳۷۵ھ، ۱۸۹۲-۱۹۵۶ء)، میاں بشیر احمد (آکسن) (۱۳۱۰-۱۳۹۱ھ، ۱۸۹۳-۱۹۷۱)، مولانا بدر الدین علوی (۱۳۱۰-۱۳۸۵ھ، ۱۸۹۳-۱۹۶۵ء)، علامہ سید طلحہ حسنی ایم، اے (۱۳۰۸-۱۳۹۰ء، ۱۸۹۰-۱۹۷۰ء)، مولانا سعید احمد اکبرآبادی (۱۳۲۶-۱۴۰۵ھ، ۱۹۰۸-۱۹۸۵ء)، پروفیسر سید نواب علی (۱۲۹۴-۱۳۸۱ھ، ۱۸۷۷-۱۹۶۱ء)، مولانا اعزاز علی امروہی (۱۳۰۱-۱۳۷۴ھ، ۱۸۸۳-۱۹۵۵ء)، مولانا شاہ حلیم عطا سلونی (۱۳۱۱-۱۳۷۵ھ، ۱۸۹۳-۱۹۵۵ء)، علامہ عبدالعزیز میمن (۱۳۰۶-۱۳۹۸ھ، ۱۸۸۸-۱۹۷۸ء)، مولانا عبدالسلام ندوی (۱۳۰۰-۱۳۷۶ھ، ۱۸۸۳-۱۹۵۶ء)، خواجہ غلام السیدین (۱۳۲۲-۱۳۹۱ھ، ۱۹۰۴-۱۹۷۱ء)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۳۲۱-۱۳۹۹ھ، ۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۱۳۳۲-۱۴۲۰ھ، ۱۹۱۳-۱۹۹۹ء) کے مطالعاتی زندگی پر مشتمل مضامین شامل ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مضمون مولانا محمد عمران خان ندوی کی درخواست پر ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' کی اشاعت کے وقت تحریر کیا گیا جو بعد ازاں کچھ اضافوں کے ساتھ ''میری علمی ومطالعاتی زندگی'' کے نام سے مستقل رسالہ اور ماہنامہ ''الحق'' وغیرہ میں بھی شائع ہوا، آپ اپنے والد حکیم سید عبدالحیؒ کی کتاب 'نزہۃ الخاطر' کے متعلق لکھتے ہیں:

> یہ ایک بہت بڑی ثقافت اور معلومات کا خزانہ تھا، جس کو ہندوستان کا کوئی طالب علم جو علم سے اپنا انتساب کرتا ہو، نظر انداز نہیں کرسکتا اور جس کے بغیر آدمی اپنے ملک ہی میں اندھیرے میں رہے گا۔

۲- علمی ومطالعاتی زندگی

ماہنامہ ''الحق''، اکوڑہ خٹک کی قدیم دینی درسگاہ ''دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک'' کا ترجمان مجلہ ہے، جس کا اجرا اکتوبر ۱۹۶۵ء میں ہوا، اور آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہے، ۱۹۷۱ء میں ماہنامہ الحق کے مدیر مولانا سمیع الحق شہید نے ''میری علمی اور مطالعاتی زندگی'' کے عنوان سے ایک سوال نامہ مرتب کیا، جسے ملک اور بیرون ملک کے

اکابر اہلِ علم، مشائخ، قومی وملی زعماء اور دانشوروں کی خدمت میں بھیجا گیا، جس کے جواب میں مختصر اور مفصل کئی مضمون موصول ہوئے اور الحق میں شائع ہوتے رہے۔

۱۹۸۸ء میں مولانا عبدالقیوم حقانی نے وہی سوال نامہ کئی دیگر حضرات کی طرف ارسال کیا، جواب میں چند مزید مضامین بھی موصول ہوئے، ۱۹۹۰ء میں مولانا عبدالقیوم حقانی نے افادہ عام کے لئے سابقہ اور نئے مضامین کو یکجا کر کے، اپنے عمدہ مقدمہ کے ساتھ ''علمی اور مطالعاتی زندگی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا، جس کے اب تک چھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں، سوال نامہ مندرجہ ذیل سولات پر مشتمل تھا :

● ......آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنّفین نے متأثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

● ......ایسی کتابوں اور مصنّفین کی خصوصیت؟

● ......کن مجلّات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا؟

● ......موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟

● ......آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے ؟ ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبہ کی تعمیر وتربیت میں مدد ملی؟

● ......اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث ونوازل کا سامنا ہے، اس کے لئے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں؟

● ......علمی فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجددی رنگ میں (مثلاً : انکار حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مصروف ہیں، ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کرسکتی ہیں؟

● ......موجودہ سیاسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں؟

● ......مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں؟

کتاب میں تیس (۲۳) مشاہیر کے مضامین شامل ہیں: مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک (۱۳۲۸-۱۴۰۹ھ، ۱۹۱۰-۱۹۸۸ء)، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۱۳۳۲-۱۴۲۰ھ، ۱۹۱۳-۱۹۹۹ء)، مفتی محمد شفیع عثمانی (۱۳۱۴-۱۳۹۵ھ، ۱۸۹۷-۱۹۷۶ء)، مولانا شمس الحق افغانی (۱۳۱۸-۱۴۰۳ھ، ۱۹۰۰-۱۹۸۳)، مولانا سید محمد یوسف بنوری (۱۳۲۶-۱۳۹۶ھ، ۱۹۰۶-۱۹۷۷ء)، مولانا سمیع الحق شہید (۱۳۵۶-۱۴۴۰ھ، ۱۹۳۷-۲۰۱۸ء)، مولانا مفتی محمد فرید (م: ۱۴۳۲ھ، ۲۰۱۱ء)، مولانا محمد اشرف خان سلیمانی (۱۳۴۳-۱۴۱۶، ۱۹۲۵-۱۹۹۵)،

مولانا محمد ابراہیم خان مجددی، علامہ قاضی محمد زاہد الحسینی (۱۳۳۱-۱۴۱۸ھ، ۱۹۱۳-۱۹۹۷ء)، قاضی عبدالکریم کلاچوی (۱۳۳۷-۱۴۳۶ھ، ۱۹۱۹-۲۰۱۵ء)، مولانا خان بہادر عرف مولانا مارتونگ (پ: ۱۳۱۶ھ، ۱۸۹۹ء)، مولانا لطافت الرحمٰن سواتی (۱)، مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (۱۳۵۷-۱۴۱۱ھ، ۱۹۱۰-۱۹۹۱ء)، مولانا اطہر علی (کشر گنج، بنگلہ دیش)، مولانا محمد اسحاق سندیلوی (۱۳۳۱-۱۴۱۶ھ، ۱۹۱۳-۱۹۹۵ء)، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مولانا قاضی عبدالحلیم کلاچوی، طالب ہاشمی (۱۳۴۱-۱۴۲۹ھ، ۱۹۲۳-۲۰۰۸ء)، ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) (۱۳۲۶-۱۴۳۲ھ، ۱۹۰۸-۲۰۰۲ء)، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ (۱۳۲۴-۱۴۰۶ھ، ۱۹۰۶-۱۹۸۶ء)۔

۳- میرا مطالعہ

نئی نسل کو اہلِ علم کی مطالعاتی زندگی اور ان کے مختلف ومتنوع مطالعاتی نظام سے روشناس کرانے کے لئے مشہور شاعر، نقاد اور ادیب تابش مہدی دہلوی نے بیسیوں صدی کے اواخر میں اہلِ علم و کتاب و اربابِ دانش کی طرف ایک سوال نامہ ارسال کیا، موصول ہونے والے جوابات کو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی نے کتابی شکل میں ''میرا مطالعہ'' کے نام سے شائع کیا، کتاب کے حوالے سے جناب تابش مہدی تحریر کرتے ہیں :

> میرا مطالعہ کی تیاری کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ کیا گیا کہ ایک سوال نامہ مرتب کر کے متعدد اربابِ علم و دانش کے پاس اس غرض سے بھیجا گیا کہ وہ اس کو بہ غور دیکھیں اور جہاں ضرورت محسوس فرمائیں حذف و اضافہ اور مشوروں سے نوازیں، اس کے بعد سوال نامے کو کم وبیش دوسوا کابر علم وادب اور اربابِ فکر ودانش کی خدمت میں ارسال کیا گیا اور درخواست کی گئی کہ حسبِ گنجائش مختصر یا مفصل جواب مرحمت فرمائیں؛ چناں چہ بعض اہل علم وادب نے ''سوال نامہ'' ملتے ہی جواب ارسال فرما دیے اور بعض نے قدرے تاخیر سے توجہ فرمائی؛ البتہ بعض بزرگوں نے یکسر خاموشی اختیار کی اور بعض نے صاف صاف تحریر فرما دیا کہ ''میں اس قسم کے سوال وجواب کے سلسلے کو پسند نہیں کرتا'' ہمیں آخر الذکر دونوں بزرگوں سے اس لئے کوئی گلہ نہیں ہے کہ اس طرح ایک مزید نقطہ نظر کو بھی جاننے کا موقع مل گیا۔

''سوال نامہ'' بھیجتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہی ہے کہ کتاب میں کسی ایک جماعت یا گروہ کی بجائے

(۱) کتاب میں غلطی سے آپ کا نام مولانا لطف الرحمٰن سواتی تحریر ہوا، اور آج تک ایسے ہی شائع ہو رہا ہے۔

مختلف جماعتوں، مسالک اور نقطۂ ہائے نظر کے ماننے والوں کی نمایندگی ہو سکے؛ تاکہ قارئین بہ یک وقت کئی نظریوں اور مسلکوں کے ''نظام مطالعہ'' سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتاب کو تین (۳) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا باب ''قندِ مکرر'' کے عنوان سے ہے جس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر سید اسعد گیلانی، پروفیسر خورشید احمد اور مریم جمیلہ کے مضامین شامل ہیں جو اس سے پہلے ماہنامہ ''چراغِ راہ'' کراچی اور ماہنامہ ''سیارہ'' لاہور وغیرہ میں شائع ہو چکے تھے، دوسرا باب ''گفتگو'' کے عنوان سے ہے جس میں مولانا محمد سراج الحسن، مولانا کوثر یزدانی ندوی اور پروفیسر عنوان چشتی کے خیالات شامل ہیں جو مرتب نے ان سے گفت وشنید (انٹرویو) کر کے قلم بند کئے، تیسرے باب کا عنوان ''نظر اپنی اپنی'' جس میں سوالنامے کے جواب میں موصول ہونے والی بتیس (۳۲) شخصیات کے مضامین شامل ہیں، ان کے نام یہ ہیں :

(۱) نعیم صدیقی۔
(۲) مولانا سید جلال الدین عمری۔
(۳) مولانا محمد سالم قاسمی۔
(۴) مولانا اخلاق حسین قاسمی۔
(۵) میاں طفیل احمد۔
(۶) ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی۔
(۷) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔
(۸) ڈاکٹر عبدالمغنی۔
(۹) ڈاکٹر ابن فرید۔
(۱۰) ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی۔
(۱۱) ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی۔
(۱۲) ڈاکٹر عصمت جاوید۔
(۱۳) ڈاکٹر احمد سجاد۔
(۱۴) ڈاکٹر ماجد علی خاں۔
(۱۵) ڈاکٹر محمد رفعت۔
(۱۶) مولانا محمد یوسف اصلاحی۔
(۱۷) مولانا محمد فاروق خاں۔
(۱۸) مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی۔
(۱۹) مولانا محمد عبدالسلام خاں۔
(۲۰) مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔
(۲۱) مولانا ضیاء الدین اصلاحی۔
(۲۲) مولانا وحید الدین خاں۔
(۲۳) سید یوسف۔
(۲۴) حکیم محمد ایوب ندوی۔
(۲۵) سہیل احمد زیدی۔
(۲۶) عمر حیات خان غوری۔
(۲۷) مولانا محمد عیسیٰ قاسمی۔
(۲۸) مولانا عبداللہ طارق دہلوی۔
(۲۹) مولانا محمد سلیمان قاسمی۔
(۳۰) ظلِ عباس عباسی۔
(۳۱) عرفان خلیلی۔
(۳۲) مولانا محمد سعود عالم قاسمی۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ مطالعہ کے ذریعے حاصل ہونے والے علمی ارتقاء کی دائمی لذت وحلاوت کے متعلق لکھتے ہیں :

> تعلیم وتعلم کا بنیادی مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ انسان کے ہر فطری ذوقِ علم طلبی کو ''علمِ نافع'' یا علمِ مفید کی راہوں سے آشنا اور علمِ مضر یا علم غیر مفید سے گریزاں بنایا جائے ، اس عظیم تر مقصد کے لئے مطالعہ ایک ناگزیر انسانی ضرورت بن جاتا ہے، جس کا ارتقاء پذیر ذوقِ علم رکھنے والا ایسا شائق ہوجاتا ہے کہ اس کے بغیر، دنیا کے تمام اسبابِ لذت وراحت اس کے لئے بے کار و بے معنی بن کر رہ جاتے ہیں اور اس حقیقت کو اربابِ علم ہی جانتے ہیں کہ مطالعہ کے ذریعہ حاصل ہونے والے علمی ارتقاء کی دائمی لذت وحلاوت کی برابری دولت وثروت اور اسبابِ آرام و راحت کی فانی لذت وحلاوت کسی درجے میں بھی نہیں کرسکتی۔

کتاب کے شروع میں تیس (۳۰) سوالوں پر مشتمل سوال نامہ بھی درج کیا گیا ہے جس میں مطالعہ کی اہمیت ،شوقِ مطالعہ کے پیدا ہونے کا سبب ،مطالعہ کی غرض ،کن کتابوں سے مطالعہ کا آغاز ہوا ،مطالعہ کی رفتار ، مطالعہ کے اوقات ، پسندیدہ موضوع ،مطالعہ کا طریقہ اور پسندیدہ کتابیں کون سی ہیں؟ جیسے سوالات شامل ہیں۔

کتاب کا پہلا اور آخری ایڈیشن ۱۹۹۵ء کو مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی سے شائع ہوا ،اور اب یہ کتاب نایاب ہوچکی ہے،ضرورت ہے کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے اور شائقین علم وکتاب ،اس کتاب کے ذریعے مختلف مسالک وفکر کے اربابِ علم ودانش کا نظامِ مطالعہ معلوم کرسکیں۔

۴- میرا مطالعہ

یہ کتاب عصر حاضر کی مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی بیس (۲۰) شخصیات کے مطالعاتی سفر کی روداد پر مشتمل ہے،جن میں بعض مرحومین بھی شامل ہیں ، اس کتاب کے مؤلف ومرتب عرفان احمد بھٹی (مدیر: ماہنامہ نوائے کسان) جب کہ مدون عبدالرؤف ہیں ، بڑے سائز کے دوسو چورانوے (۲۹۴) صفحات پر مشتمل اس کتاب کو ۲۰۱۶ء میں ای میل مطبوعات ،اسلام آباد نے شائع کیا ،حال ہی میں اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے،علم وادب کے ان مشاہیر کے ساتھ کتابوں پر گفتگو ''میرا مطالعہ'' میں شامل ہے،جس سے قاری کو عمدہ کتابوں کے بارے میں علم ہوتا ہے اور انھیں حاصل کرکے پڑھنے کی ترغیب ملتی ہے، کتاب کے سبب تالیف کے بارے میں مرتب کا کہنا ہے :

> مجھے ایک نادر کتاب ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' پرانی کتابوں کے ایک اسٹال سے ملی، جس نے میرے ذوق مطالعہ کو نیا رُخ دیا، یہ شوق پیدا ہوا کہ میں اپنے ذوق کی تسکین اور مطالعہ کرنے والوں کی راہ نمائی کے لئے اہل علم سے مدد لوں اور اس بہانے ان لوگوں سے ملاقات کی جائے جو دورِ حاضر میں آسمانِ علم کے ستارے ہیں ......سوال نامہ مرتب ہوا، فہرست بنائی گئی ...... گفتگو ریکارڈ ہوئیں اور ایک کٹھن مرحلہ ان ٹیپ شدہ انٹرویوز کی کاغذ پر منتقلی کا تھا......کاغذ پر منتقلی کا کٹھن مرحلہ برادرم عبدالرؤف کی ذمہ داری ٹھہرا، اس طرح اس کتاب کی ترتیب وتدوین کا آغاز ہوا۔

ہر مضمون کے آغاز میں مضمون نگار کا مختصر تعارف درج کیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں کتابیات کے عنوان سے چھ صفحات پر ان کتابوں کے نام دیئے گئے ہیں جن کا ذکر کتاب میں ہوا ہے، اس فہرست سے قاری کم سے کم وقت میں اہم ترین کتابوں کی جانکاری حاصل کرسکتا ہے۔

مولانا زاہد الراشدی اپنی طالب علمی کا واقعہ ذکر کرتے ہیں، ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور اور کوہستان میں مضامین شائع ہونے کی وجہ سے میرا صحافت کی طرف رجحان بڑھنے لگا تو میرے چچا مولانا عبدالحمید سواتی صاحبؒ نے نصیحت کی :

> بیٹا! صحافت اور خطابت لوگوں تک کوئی بات پہنچانے کا ذریعہ ہے، یہ ضرور آدمی کے پاس ہونا چاہئے ؛ لیکن پہنچانے کے لئے کوئی چیز بھی پاس موجود ہونی چاہئے ، اگر اپنے پاس کچھ ہوگا تو دوسروں تک پہنچاؤ گے اور اگر اپنا سینہ علم سے خالی ہوگا تو دوسروں کو کیا دو گے؟ ٹونٹی کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، وہی چیز باہر نکالے گی جو ٹینکی میں ہوگی اور اگر ٹینکی میں کچھ نہیں ہوگا تو ''شاں شاں'' کرے گی ، حضرت صوفی صاحب کے اس محبت بھرے لہجے اور ''شاں شاں'' کی مثال نے ایک لمحے میں دل ودماغ کا کانٹا بدل دیا اور یہ جملے اب بھی میرے کانوں میں ''شاں شاں'' کرتے رہتے ہیں۔

کتاب میں بیس (۲۰) مشاہیر کے مضامین شامل ہیں : احمد جاوید (پ: ۱۹۵۵ء) ، ڈاکٹر اسلم فرخی (۱۳۴۲-۱۴۳۷ھ، ۱۹۲۳-۲۰۱۶ء)، ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۳۶۹-۱۴۲۴ھ، ۱۹۵۰-۲۰۰۳ء)، ڈاکٹر انور سدید (۱۳۴۷-۱۴۳۷ھ، ۱۹۲۸-۲۰۱۶ء)، زاہدہ حنا (پ: ۱۳۶۵ھ-۱۹۴۶ء)، ڈاکٹر طاہر مسعود (پ: ۱۹۵۷ء)، ڈاکٹر معین الدین عقیل (پ: ۱۳۶۶ھ، ۱۹۴۷ء)، سہیل عمر (پ: ۱۳۷۳ھ، ۱۹۵۴)، ڈاکٹر مبارک علی (پ: ۱۳۶۰ھ،

۱۹۴۱ء)، مولانا زاہد الراشدی (پ: ۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۸)، آصف کرخی (پ:۱۳۸۷-۱۴۴۱ھ، 1959-2020ء)، طارق جان، حکیم محمود احمد برکاتی (۱۳۴۵-۱۴۳۳ھ، ۱۹۲۶-۲۰۱۲ء)، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (پ:۱۳۵۹ھ، ۱۹۴۰ء)، ڈاکٹر صفدر محمود (پ: ۱۳۶۴ھ، ۱۹۴۴ء)، اوریا مقبول جان (پ:۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۲)، عبدالجبار شاکر (۱۳۶۶-۱۴۳۰ھ، ۱۹۴۷-۲۰۰۹ء)، عبدالقدیر سلیم (پ: ۱۳۵۳ھ، ۱۹۳۵ء)، عامر ہاشم خاکوانی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر (پ:۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء)۔

مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے اکابر ومشاہیر کی مطالعاتی زندگی پر مشتمل یہ علمی سفر نامے، ان کی پسندیدہ اور محسن کتابیں، شائقین مطالعہ کے لئے انمول خزانہ ہے، جس سے قارئین نہ صرف اپنے نظامِ مطالعہ کو بہتر بنا سکتے ہیں؛ بلکہ اپنے من پسند موضوعات کے اعتبار سے کتابوں کی فہرست مرتب کرکے مفید اور نفع مند مطالعہ کر سکتے ہیں، اہلِ علم کے طویل تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں اہم اور مفید کتابوں کا انتخاب، انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ''مفید'' مطالعہ ممکن ہوتا ہے اور رہنمائی کے بغیر، اپنی مرضی کے مطالعہ میں پیش آنے والی مشکلات اور نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔

نئی نسل میں مطالعہ کے کم ہوتے رجحان یا فضول اور بے فائدہ مطالعہ سے بچاؤ کے لیے بھی فکرمند حلقوں کی جانب سے مختلف کوششیں جاری ہیں، کتابوں سے دوستی میں اضافہ، اشاعتی اداروں کی حوصلہ افزائی اور کاپی رائٹس کے قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے دنیا بھر میں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کی اپیل پر ہر سال ۲۳/اپریل کو کتابوں اور کاپی رائٹس کا عالمی دن منایا جاتا ہے، اُردو داں حلقے میں اس حوالے سے ہونے والی چند کوششوں کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:

٦- ''نقاط'' کا کتاب نمبر

چھ سو چونسٹھ (٦٦٤) صفحات پر مشتمل نقاط کی سولہویں خصوصی اشاعت ''کتاب نمبر'' ادبی جرائد کی تاریخ کا منفرد اور بے مثال نمبر ہے، جس میں کتاب کے متعلق عام قاری جو بھی سوچ سکتا ہے، وہ اس شمارے میں موجود ہے، فروغ مطالعہ کے لئے مدیرِ نقاط قاسم یعقوب کی یہ انتہائی شاندار کاوش ہے، ''کتابیں اور اکیسواں خواب'' کے زیرِ عنوان اداریے میں لکھتے ہیں:

> کتابوں کی دوستی، ان کا ذکر اور ان کا مطالعہ جتنی اہمیت آج رکھتا ہے شاید اس پہلے کبھی نہیں تھا، کتاب مر رہی ہے، کتاب بدل رہی ہے، کتاب سے طلسماتی رشتے کمزور پڑ رہے ہیں، ایسے میں کتابوں کا ذکر کسی اندھیرے میں ٹمٹماتے دِیئے کی لَو کو

> اونچا کرنے کے عمل سے کم نہیں، کتابوں کی اہمیت کم نہیں ہوئی، کتابوں سے پیار کرنے والے کم ہو گئے ہیں، انسان کا کتاب سے رشتہ کمزور نہیں ہوا، کتاب کو پہچاننے والے خال خال رہ گئے ہیں، آج کے حبس زدہ موسم میں کتابوں کو یاد کرنے کا مطلب ہے اپنی تاریخ میں جھانکنا، کتابوں کے ساتھ اپنی رفاقت کو یاد کرنے کا عزم کرنا، کتابوں کی معیت میں کچھ دیر رُکئے اور مطالعے کو اپنا زادِراہ بنائیے، اگر سماج کی تشکیل میں کہیں کوئی اُمید کی کرن پھوٹنے کا کوئی امکان آج بھی موجود ہے تو وہ کتاب کلچر ہے جہاں سے تہذیب کو نئی اقدار ملیں گی۔

اس شمارے کا مقصد کتاب سے وابستہ تہذیب کا احیا ہے جو ویب سائٹ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے رفتہ رفتہ مر رہی ہے، تخلیقی ادب اور سماجی علوم صرف ریڈنگ نہیں مانگتے؛ بلکہ مطالعہ کی پوری تہذیب مانگتے ہیں جو صرف کتاب سے ممکن ہے۔

کتاب نمبر کے پہلے حصے ''سنگی کتابیں، کاغذی پیراہن'' میں اٹھائیس (۲۸) مضمون نگاروں کے بتیس (۳۲) مضامین شامل ہیں، اس میں کچھ خصوصی گوشے بھی شامل ہیں، جیسے: کتاب دوستی، ممنوعہ کتب، کتاب کا سفر، کتابیں اور کتب خانے، کتابیں جو میرے ساتھ رہتی ہیں، پرانی کتابیں اور بازار، کتاب نظمیں، کتاب نامہ، کتابوں سے محبت کرنے والے، کتابوں کی دنیا، نئی نسل کیا پڑھتی ہیں اور کتاب تبصرے، غرض کتابوں کا ایک جہان ہے جو اس شمارے میں موجود ہے۔

''کتاب دوستی'' کے زیرِعنوان فکاہیہ اور انشائی تحریریں شامل کی گئی ہیں، اس حصے میں اے حمید، ڈاکٹر سلیم اختر، کنہیالال کپور، عظیم بیگ چغتائی، اسعد گیلانی، محمد منور، ارشد میر اور شیما صدیقی کی دلچسپ تحریروں کو جگہ دی گئی ہے، ان فکاہیہ مضامین کی دلچسپی کا اندازہ مضمون نگاروں کے نام سے ہی کیا جا سکتا ہے، ''کتاب کا سفر خصوصی مطالعہ'' میں ارشد محمود ناشاد کا تحریر کردہ ''مخطوطہ اور مخطوطہ نویسی کا فن، آغاز وارتقا'' بہت دلچسپ اور معلوماتی مضمون ہے، جب کہ رفعت گل نے ''کتابوں کی جلد سازی کا فن'' کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔

''کتابیں اور کتب خانے'' کے عنوان سے سولہ (۱۶) مضامین میں کتب خانوں کے بارے میں بھرپور معلومات ملتی ہیں، اس پورے حصے میں دنیا بھر کے کتب خانوں پر شاندار تحریریں یکجا کی گئی ہیں، ''کتابیں جو میرے ساتھ رہتی ہیں'' کے عنوان سے سولہ (۱۶) ادیب، شاعر اور دانشوروں نے اپنی پسندیدہ کتب کے بارے میں قارئین کو آگاہ کیا ہے، اس حصے کی خاص تحریروں میں آصف فرخی کا ''پیتل کا شہر''، مشہور ناول، افسانہ اور سفرنامہ نگار سلمیٰ اعوان کا ''مطالعہ کتابیں اور میری سرگزشت''، بیگم صالحہ عابد حسین کا ''کتابیں میری زندگی''،

قائد ملت بہادر یار جنگ کا ''میں مطالعہ کس طرح کرتا تھا'' اور مصنف، دانشور اور کالم نگار وجاہت مسعود کا ''نثر میں میری پسندیدہ کتابیں'' بہت دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں، وجاہت مسعود نے تو اپنی پسندیدہ ۵۷ کتابوں کی فہرست دیدی ہے، جو تمام ذوق مطالعہ کو مہمیز دیتی ہیں۔

ای میل مطبوعات کی کتاب ''میرا مطالعہ'' سے پانچ (۵) مضامین اس گوشے میں شامل ہیں، ''پرانی کتابیں اور بازار'' میں کراچی، لاہور، فیصل آباد کے پرانی کتب کے بازاروں کی دلچسپ تفصیلات دی گئی ہیں۔

''کتاب نظمیں'' میں افتخار عارف، جون ایلیا، شہرام سرمدی، عزیز حامد مدنی اور قاسم یعقوب کی کتابوں پر بہترین نظمیں شامل ہیں ''کتابوں سے محبت کرنے والے'' جس میں کتاب دوست مولانا غلام رسول مہر، کشور ناہید، رؤف کلاسرا اور قاسم یعقوب کے مضامین ہیں، ''کتابوں کی دنیا'' میں کتابوں کے بارے میں مضامین کا انتخاب بھی بہت اچھا کیا ہے، کتاب تبصرے میں چونتیس (۳۴) کتابوں پر تبصروں کا انتخاب کیا گیا ہے، غرض نقاط کا ''کتاب نمبر'' یادگار نمبر اور ایک ایسا تحفہ ہے جس میں کتاب سے محبت کرنے والوں کے لئے کم وبیش ہر چیز شامل ہے۔

۷- ماہنامہ رفیق منزل کا مطالعہ نمبر

ماہنامہ ''رفیق منزل'' (نئی دہلی) طلبہ اور تعلیمی اداروں کے لئے تین دہائیوں سے نکلنے والا ایک رسالہ ہے، رفیق منزل کے خصوصی شمارے مختلف النوع اہمیت کے حامل ہیں، اب تک اس کے کئی خاص شمارے شائع ہو چکے ہیں، اہم ترین خصوصی شماروں میں ''مسلم تعلیمی تحریکات وشخصیات''، ''کامیاب طالب علم''، ''مطالعہ نمبر''، ''اخلاقیات نمبر''، ''رہنمائے عہد نو''، ''شخصیت کا ارتقاء'' خاص طور سے قابل ذکر ہیں، دوسو صفحات پر مشتمل ''مطالعہ نمبر'' اس کی پانچویں خصوصی اشاعت کے طور پر شمشاد حسین فلاحی کی ادارت میں دسمبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا، اس شمارے میں مختلف موضوعات پر چھ (۶) حصوں میں تقسیم تقریباً پینتیس (۳۵) اہم مضامین شامل ہیں۔

محترم شمشاد حسین فلاحی صاحب اداریہ میں مطالعہ نمبر کے حوالے سے لکھتے ہیں :

> ماہنامہ (رفیق منزل) نے ملی قیادت اور نئی نسل کو تعلیم ومسائل تعلیم سے آگاہ کرنے کی بھی کوشش کی اور نئی نسل کے علمی وفکری اور شخصی ارتقاء پر بھی بھرپور توجہ دی ہے، اپنے نوجوان قارئین کے اندر ذوق مطالعہ کی افزائش اول روز سے ہی رفیق منزل کا اہم ہدف رہا ہے، اس مقصد کے لیے ایک خصوصی نمبر ''مطالعہ نمبر'' کی اشاعت ایک عرصہ سے پیش نظر تھی کہ مسلم طلبہ ونوجوانوں کو مطالعہ کے لئے جملہ تکنیکی وغیر تکنیکی معلومات ودیگر ضروری رہنمائی فراہم کی جاسکے؛ تاکہ ان کی صلاحیتوں کے ارتقاء کی رفتار تیز ہو،

نیز وہ اچھے اسکالر اور اچھے عملی آدمی بن سکیں ، اسی کے پیش نظر رفیق منزل کی اس خصوصی اشاعت کے لئے ''مطالعہ'' کا نام تجویز کیا گیا۔

''مطالعہ نمبر'' کے پہلے باب کا عنوان ''مسائل مطالعہ'' ہے، جس میں مندرجہ دس مضامین شامل ہیں :

''مطالعہ: ضرورت، اہمیت اور جہات'' (شمشاد حسین فلاحی)، ''مطالعہ کا شوق کیسے پیدا کیا جائے؟'' (سید سعادت اللہ حسینی)، ''علوم کا اسلامی نقطہ نظر'' (شمشاد حسین فلاحی)، ''اختصاص، ضرورت اور مطالعہ'' (امتیاز عالم فلاحی)، ''حافظہ اور اس کی افزائش'' (سید شجاعت اللہ حسینی)، ''مطالعہ میں ارتکاز، عملی تدابر کے حوالہ سے'' (فیضان شاہد)، ''مطالعہ کی رفتار اور اس کا ارتقاء'' (سید شجاعت اللہ حسینی)، ''تیز کیجیے! اپنے مطالعہ کی رفتار'' (محمد مبشر احمد)، ''تنظیم مطالعہ'' (سید سعادت اللہ حسینی)، ''مطالعہ کی عادت- رہنما خطوط'' (عرفان وحید)۔

جناب سید سعادت اللہ حسینی مطالعہ کے شوق میں صحبت کی اہمیت بیان کرتے ہیں :

مطالعہ کی عادت کی افزائش کے لیے ماحول کی بڑی اہمیت ہے، اچھا علمی ماحول، اہل علم کی صحبت اور علمی فضا ایک جاہل آدمی کے اندر بھی علم کی پیاس پیدا کر دیتی ہے، جب کہ غیر علمی ماحول اور جہلاء کی صحبت علم دوستوں کے مزاج کو بھی بگاڑنے کا سبب بنتی ہے۔

شمارے کے دوسرے حصے میں ''مطالعہ کے مختلف میدانوں'' کا تذکرہ ہے، اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں :

''مطالعہ اسلامیات، کچھ رہنما خطوط'' (محی الدین غازی)، ''مطالعہ قرآن، چند اہم ہدایات'' (مولانا امین احسن اصلاحی)، ''اسلامیات کا مطالعہ'' (مولانا محمد فاروق خان)، ''مذاہب کا تقابلی مطالعہ'' (مولانا محمد فاروق خان)، ''مختلف علوم ورجحانات کا مطالعہ'' (شمشاد حسین فلاحی)، ''مطالعہ برائے معلومات عامہ'' (شمشاد حسین فلاحی)، ''تفریحی مطالعہ'' (سید سعادت اللہ حسینی)، ''ادب کا مطالعہ'' (ڈاکٹر سید عبدالباری)، ''ادب کا مطالعہ، کیا پڑھیں؟'' (خالد مبشر)، ''مطالعہ برائے ذاتی ارتقاء'' (ڈاکٹر بدر الاسلام)، ''مقابلہ جاتی امتحانات کے لئے مطالعہ'' (امتیاز عالم فلاحی)، ''مطالعہ برائے شخصی ارتقاء'' (سید سعادت اللہ حسینی)۔

شمارے کے تیسرے حصے میں درسیات کے مطالعہ کے متعلق تین (۳) مضامین کو شامل کیا گیا ہے، پہلا مضمون ''درسی کتب کا مطالعہ- تفصیلی اسکیم'' ڈاکٹر بدر الاسلام صاحب کا ہے، دوسرا مضمون ''تاریخ، جغرافیہ، شہریت،

معاشیات کا مطالعہ، دلچسپ بھی، ضروری بھی!''معروف تعلیمی رہنما جناب مبارک کاپڑی صاحب کا تحریر کردہ ہے، جب کہ اس حصے کا آخری مضمون ''نفس مضمون کا مطالعہ'' جناب ڈاکٹر بدرالاسلام صاحب کے قلم سے ہے۔

شمارے کا چوتھا حصہ ''مطالعہ اور تحریک دعوت'' ہے، اس حصے میں تین چیزیں شامل ہیں، پہلا مضمون سابق امیر جماعت اسلامی ہند جناب ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب مرحوم کا ہے، ''تحریک اسلامی کی علمی ضروریات'' ڈاکٹر انصاری مرحوم کی اہم اور ذہن ساز تحریروں میں شمار کیا جاتا ہے، اس حصے کا دوسرا مضمون ''تحریک اسلامی کا لٹریچر، خوبیاں، شرائط مطالعہ، جامع منصوبہ'' مولانا عبدالرشید عثمانی کا تحریر کردہ ہے، اس مضمون میں تحریکی لٹریچر کے مطالعہ سے متعلق ایک اچھی گائیڈ لائن پیش کی گئی ہے، اس حصے کے آخر میں سوالات وجوابات پر مشتمل ایک کالم ہے، جس میں سات سوالات کے تحت معروف اُردو ادیب ڈاکٹر ابن فرید، معروف ہندی ادیب اور اسکالر ڈاکٹر کوثر یزدانی، اور معروف تحریکی شخصیت جناب زین العابدین منصوری صاحبان کی آراء جاننے کی کوشش کی گئی ہے، یہ سوالات کچھ اس طرح ہیں :

(۱) ......تحریکی لٹریچر کیا ہے؟ اور یہ عام لٹریچر سے کس طرح مختلف ہے؟

(۲) ......انسانی اور تحریکی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

(۳) ......ایک عام قاری کے لیے اہم تحریکی کتب کا کس ترتیب کے ساتھ مطالعہ ہونا چاہیے؟

(۴) ......تحریکی لٹریچر کے مطالعہ کے وقت کیا چیزیں خاص طور پر پیش نظر رہنی چاہئیں؟

(۵) ......تحریکی لٹریچر کا مطالعہ کس طرح کیا جائے؟

(۶) ...... یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارا تحریکی لٹریچر زیادہ تر آج سے پچاس سال قبل کے حالات میں لکھا گیا تھا اور اس کے بہت سارے مباحث نئے حالات سے مطابقت (Relevence) نہیں رکھتے؟ اس بات سے آپ کتنا اتفاق کریں گے، اگر ہاں تو اس کمی کو ایک عام طالب علم کیسے پورا کرے؟ کوئی اور بات؟

شمارے کا پانچواں حصہ ''مطالعہ کے اہم مراجع'' کے عنوان سے ہے جس میں ''کتب خانے سے استفادہ'' (تنویر عالم فلاحی)، ''انسائیکلو پیڈیا سے استفادہ'' (عرفان وحید)، ''الیکٹرانک (ای) مطالعہ'' (سید سعادت اللہ حسینی)، ''دستاویزات اور ان کا حصول'' (عمیر انس ندوی) شامل ہیں۔

کتاب کے آخری حصے میں کچھ متفرق مضامین کو جمع کیا گیا ہے، جن کی تفصیلات اس طرح ہیں :

''مطالعہ وتحقیق کے کچھ بنیادی مآخذ'' (ڈاکٹر ظفر الاسلام خان)، ''طلبہ میں مطالعہ کا رجحان، ایک تجزیاتی رپورٹ'' (عمیر انس ندوی)، ''ضروری رہنمائی، طلبہ دینی

مدارس کے لئے'' (عمیر انس ندوی)، ''بچوں کا مطالعہ'' (شمشاد حسین فلاحی)، ''معروف شخصیات کا مطالعہ'' (شمشاد حسین فلاحی)۔

آخر میں ضمیمہ کے تحت اہم میگزینس، اخبار کی خصوصی اشاعتوں، کریئر گائڈنس سینٹرس، اسٹڈی ٹیک بکس، پرسنالٹی ڈیولپمنٹ، کونسلنگ سروسز، ایجوکیشن وغیرہ عناوین کے سلسلے میں اداروں اور ویب لنکس کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔

۸- مطالعہ کیوں اور کیسے؟

ایک سو باون صفحات (۱۵۲) کی اس کتاب کے مصنف مولانا رحمت اللہ ندوی صاحب نے اس کتاب میں: وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت، کتاب کی تعریف، اچھی کتاب، مطالعہ کے مقاصد، مطالعہ کا نظام، نظام عمل کے فوائد، مطالعہ کے مراحل، مطالعہ کے عوامل اور محرکات، آداب مطالعہ، ذوقِ علم اور شوق مطالعہ، مطالعہ کی افادیت، مطالعہ کرنے کا طریقہ، کتابیں، رسالے، اخبار وغیرہ کا مطالعہ کیسے کریں؟ علمی مذاکرہ، مطالعہ پر ایک عمودی نظر، مطالعہ پر ایک اہم نوٹ، مطالعہ محفوظ کیسے رکھا جائے؟ تعطیلات کیسے گزاریں، ان مؤلفین و مصنّفین کو پڑھیں وغیرہ کے عنوانات قائم کرکے، ان کے تحت بہت اہم اور مفید نکات جمع کیے ہیں، جو نئے قارئین کے لیے بیش بہا خزانہ ہیں۔

کتاب کے آخر میں انھوں نے ''چند قابلِ استفادہ کتابیں'' کے عنوان سے، مفید، سرگرم عمل کرنے اور شوق ورغبت پیدا کرنے والی سولہ (۱۶) کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا، ان کے نام یہ ہیں: مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، علمائے سلف، استاد اور شاگرد کے حقوق، پاجا سراغِ زندگی، آداب المتعلمین، میری علمی ومطالعاتی زندگی، آدابِ شاگردی، بڑوں کا بچپن، بڑوں کی باتیں، مطالعہ کیوں اور کیسے؟، متاعِ وقت اور کاروانِ علم، قیمۃ الزمن عند العلماء، الوقت ھو الحیاۃ، الوقت فی حیاۃ المسلم، تنظیم الوقت، ادارۃ الوقت۔

۹- مطالعہ — اہمیت اور تکنیک

مصنف کتاب شاہ اجمل فاروق ندوی نے اس کتاب میں مطالعے کی اہمیت، روایت اور آداب کے متعلق عربی، اُردو اور انگریزی میں لکھی گئی اہم کتابوں کی روشنی میں بہت بنیادی اور اہم معلومات جمع کردی ہیں، مطالعے کے جدید ترین آلات اور تنظیم وترتیب کے طریقوں کے علاوہ جامع انداز میں ایسی تاریخی معلومات بھی جمع کردی گئی ہیں، جس کو پڑھ کر مطالعے کا شوق نہ رکھنے والا شخص بھی مطالعے کی طرف راغب ہوسکتا ہے، مختلف نقشوں، تصویروں اور رہنما خاکوں نے کتاب کی اہمیت کو دوچند کردیا ہے، اسی لئے پروفیسر اختر الواسع (وائس چانسلر مولانا آزاد یونی

ورسٹی، جودھ پور) نے اس کتاب کا پرزور استقبال کرتے ہوئے اسے عظیم علمی روایات کے استحکام وتوسیع کا کام یاب ذریعہ قرار دیا ہے، کتاب میں ۹۶ صفحات ہیں اور اسے مکتبہ الفاروق، دہلی نے شائع کیا ہے۔

۱۰- انوارالمطالع فی ہدایات المطالع

مولانا حافظ محمد حسین نیلوی (۱۹۲۲-۲۰۰۶ء)(۱) نے ''انوارالمطالع فی ہدایات المطالع'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا جس میں درسی کتابوں خصوصا درسِ نظامی کی کتابوں کے مطالعہ کے حوالے سے مبتدی اور متوسط طلبہ کے لئے مفید اور کارآمد اصول جمع کیے تھے، یہ رسالہ قدیم اردو زبان میں تھا اور نایاب ہوگیا تھا، مولانا محمد الیاس گڈھوی (مدرس مدرسہ دعوۃ الایمان مانک کپور ٹکولی، گجرات) نے اسے آسان اُردو زبان میں ڈھال کر نیز حواشی میں اہم نکات کی مثالوں سے وضاحت کی، نکات کی ترتیب وتنصیب، اُصول وضوابط اور ضروری اشیاء کو اس طور پر ازسرِنو ترتیب دیا کہ اس کتاب سے عام طلبہ کے لئے استفادہ انتہائی آسان ہوگیا ہے۔

''انوارالمطالع فی ھدایات المطالع'' (تسہیل شدہ جدید ایڈیشن) دوسو چودہ (۲۱۴) صفحات پر مشتمل ہے، جسے ادارۂ الصدیق ڈابھیل، گجرات نے شائع کیا، کتاب مقدمہ، دو ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمۂ کتاب میں فن مطالعہ کی اہمیت، نظام الاوقات اور اقوالِ اکابر کی روشنی میں طالب کا کردار بیان کیا گیا ہے، پہلے باب میں مبتدی طلبہ کے مطالعہ کا طریقہ، عبارت پر عبور حاصل کرنے کا طریقہ اور دورانِ مطالعہ پیش آنے والی پریشانیوں اور عبارت کی پیچیدگیوں کا حل ذکر کیا گیا ہے، جب کہ دوسرے باب میں متوسط طلبہ کے لئے عبارت حل کرنے کے انتہائی مفید، انوکھے اور کارآمد اُصول بیان کئے ہیں، ان کے علاوہ ماتنین کا طرزِ تحریر، شارحین کا اندازِ استدلال، فرائضِ شارحین اور متن وشرح میں مستعمل الفاظ، ان کی اغراضِ مخصوصہ اور مصنّفین کی لغزشوں پر عذر بیانی اور اندازِ تحریر وغیرہ، دلچسپ مضامین شامل ہیں۔

خاتمہ میں علم کی فضیلت وضرورت، علمی مطالعہ کی اہمیت، نسخوں کی تبدیلی اور ہونے والی پریشانی، تعقیدِ لفظی وتعقیدِ معنوی وغیرہ کے متعلق مفید مضامین شامل ہیں۔

• • •

(۱) آپ نیلہ، ضلع چکوال میں پیدا ہوئے، مدرسہ امینیہ، دہلی سے فراغت کے بعد وہیں مدرس مقرر ہوئے، بعد ازاں سرگودھا میں مقیم ہوئے اور ایک دینی ادارہ بھی قائم کیا، آپ بیسیوں کتابوں کے مصنف تھے۔

واصل بن عطاءؒ شخصیت اور افکار

مولانا عبید اختر رحمانی ☆

پس منظر

سنہ ۸۰ھ ہجری میں کئی بڑی شخصیات دنیا میں آئیں، جنھوں نے علم وفکر کی دنیا میں انقلاب برپا کیا، یہ اور بات ہے کہ کسی کے علم وفکر سے اُمت کو فائدہ پہنچا اور کسی کا علم اُمت کے لئے انتشار اور فکر ونظر میں بگاڑ کا سبب بنا، ۸۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے، جن کے علم وفکر سے اُمت کو عظیم فائدہ پہنچا اور اسی سنہ میں واصل بن عطاء بھی پیدا ہوا، جس کا علم اور جس کی فکر اُمت کے لئے گمراہی کی وجہ بنی۔

سنہ ۸۰ھ میں اُموی سلطنت جہاں ایک جانب عروج پر تھی، وہیں عربوں کے عجمیوں سے اختلاط اور دیگر وجوہات سے فکر ونظر میں اختلاف اور اسلام کی سادگی کو عجمی فکر کی پُرکاری کا پیوند لگنا شروع ہو چکا تھا، بصرہ اور کوفہ چوں کہ عجم کے دروازے تھے؛ لہٰذا فکر ونظر کا دنگل سب سے زیادہ یہیں برپا تھا، مختلف نظریات کی آمیزش اور ملاوٹ سے نئے نئے فرقے وجود میں آرہے تھے۔

نام ونسب، کنیت

مدینہ منورہ میں میں سنہ ۸۰ھ میں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام واصل رکھا گیا، والد کا نام عطاء تھا، قبیلہ بنی مخزوم یا قبیلہ بنی ضبہ کی جانب منسوب تھا، اب یہ ولاء غلامی کی وجہ سے تھا یا محض اس قبیلہ میں بود و باش اور تعلق کی وجہ سے، اس سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں؛ لیکن بہ ظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ واصل بن عطا یا اس کے والدین اگر غلام ہوتے تو پھر مؤرخین اور محدثین اس کا ذکر بطور خاص کرتے اور ان کا اس بارے میں خاموش رہنا بتاتا ہے کہ وہ آزاد تھا، واصل کی کنیت ابوحذیفہ تھی اور اس کا لقب غزال تھا۔(۱)

☆ نگراں شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

(۱) المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم: ۷/ ۲۹۲۔

غزال لقب کی وجہ

مشہور نحوی مبرد نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کی عرفیت غزال اس لئے نہیں تھی کہ سوت کاتنے کا وہ خود یا اس کے آباء واجداد پیشہ کرتے تھے؛ بلکہ اس کی کنیت اس لئے تھی کہ وہ اپنا زیادہ وقت سوت کی خرید وفروخت کے بازار میں یا سوت کے کاروبار سے وابستہ ایک شخص جس کا نام کتب تاریخ وتذکرہ میں عبداللہ الغزال بتایا گیا ہے، اس کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔(۱)

مشہور ادیب جاحظ نے واصل کے غزال کی عرفیت سے مشہور ہونے کی وجہ کے بارے میں لکھا ہے :

> کبھی کبھار آدمی کسی آدنی مناسبت سے کسی پیشہ یا کسی مقام کی جانب منسوب ہوجاتا ہے؛ حالاں کہ وہ نہ اس پیشہ سے وابستہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس مقام سے، اور مثال میں خالد حذاء اور ابوسعید مقبری کی مثال دی ہے اور کہا کہ خالد کا پیشہ موچی گری کا نہیں تھا اور ابوسعید کو مقبری اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا زیادہ وقت قبرستان میں گزارا کرتے تھے، ایسے ہی واصل کو غزال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنا زیادہ وقت اپنے دوست ابوعبداللہ غزال کے پاس گزارا کرتے تھے۔(۲)

اس کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں تاریخ کے اوراق خاموش ہیں، پیدائش کے کچھ دنوں بعد واصل کے گھر والے بصرہ آگئے اور یہیں واصل کی نشوونما ہوئی، (۳) یہیں اس نے تعلیم حاصل کی، بصرہ میں علم کا سب سے بڑا مرکز حضرت امام حسن بصریؒ کی مجلس تھی، واصل نے بھی اسی چشمہ فیض سے استفادہ کیا اور کہنا چاہئے کہ بہت حد تک استفادہ کیا؛ (۴) لیکن تاریخ کی کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل حضرت حسن بصریؒ کے ساتھ ساتھ اس دور کے بدعتیوں جیسے معبد جہنی، غیلان دمشقی وغیرہ کے افکار سے بھی متاثر تھا۔(۵)

اساتذہ ومشائخ

حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ سے واصل نے کتنے سال استفادہ کیا، اس کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں؛ لیکن تمام

(۱) مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان: ۱/ ۲۱۶۔ (۲) المنیۃ والامل، ص: ۷۰۔
(۳) الموسوعۃ الموجزۃ فی التاریخ الاسلامی: ۱۰/ ۵۴۶۔ (۴) الوافی بالوفیات: ۲۷/ ۲۴۵۔
(۵) الملل والنحل: ۱/ ۴۷۔

تذکرہ نگاروں نے اس کے اساتذہ میں حضرت حسن بصریؒ کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان سے خاصا استفادہ کیا تھا، حافظ صفدی تو فرماتے ہیں کہ اس نے حضرت حسن بصریؒ سے متعدد علوم حاصل کئے تھے۔(۱)

جب کہ شہرستانی نے علوم کے ساتھ اخبار کا بھی اضافہ کیا ہے :

كان تلميذا للحسن البصري ، يقرأ عليه العلوم والأخبار ۔ (۲)

ائمہ اہل بیت کی شاگردی کا دعویٰ

حضرت حسن بصریؒ کے علاوہ بھی معتزلہ نے متعدد علماء اہل بیت سے واصل کی شاگردی کا اظہار کیا ہے، مثلاً: یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ واصل نے حضرت محمد بن حنفیہ سے علم کلام سیکھا؛(۳) لیکن یہ دعویٰ بداہتاً غلط ہے؛ کیوں کہ محمد بن حنیفہؒ کی وفات سنہ ۸۱ ہجری میں ہوئی اور واصل کی پیدائش سنہ ۸۰ ہجری میں ہے تو ایسے میں اخذ واستفادہ کا دعویٰ کیسے درست ہوسکتا ہے، اسی طرح بعض معتزلہ حضرات نے محمد بن حنیفہؒ کے بیٹے عبداللہ سے واصل کے استفادہ کا دعویٰ کیا ہے، اور دیگر اہل بیت علماء سے بھی استفادہ کا دعویٰ معتزلہ حضرات کی کتابوں میں کیا گیا ہے؛ بلکہ بعض میں تو دعویٰ کیا گیا ہے کہ اہل بیت کے اکابر علماء واصل کے علم سے متاثر تھے اور اس کا بہت اکرام کرتے تھے۔(۴)

حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ میں بھی دیگر فرقوں کی طرح اپنے اکابر کے لئے غلو اور مبالغہ آرائی موجود ہے، اسی غلو کا کرشمہ ہے کہ بعض معتزلہ نے یہ روایت وضع کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ میری اُمت میں ایک شخص پیدا کرے گا، جس کا نام واصل اور اس کے والد کا نام عطاء ہوگا، جو میری اُمت میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرے گا،(۵) جب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر واصل کے حق میں جھوٹ بولا جاسکتا ہے تو اہل بیت پر تو بدرجۂ اولیٰ اس کا امکان ہے۔

---

(۱) الوافی بالوفیات: ۲۴۵/۲۷۔

(۲) الملل والنحل: ۴۶/۱۔

(۳) المنیۃ والامل، ص: ۶۵۔

(۴) دیکھئے: المنیۃ والامل یا طبقات المعتزلہ۔

(۵) المنیۃ والامل، ص: ۷۰۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی نگاہ میں رہنی چاہئے کہ وہ وقت ایسا تھا جب بنی اُمیہ کے ظلم وستم کے خلاف اہل بیت سے ہمدردی عام تھی؛ لہٰذا معتزلہ نے ان کا نام لے کر اپنی فکر کو ترویج دینا چاہا اور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے اور اہل بیت حضرات کے اکابر علماء کی شاگردی کا دعویٰ ہو، یا پھر اس بات کا دعویٰ کہ اہل بیت اکابر واصل سے متاثر تھے، دونوں اہل بیت کے نام سے فکر اعتزال کو پروان چڑھانے کی کوشش ہی لگتی ہے۔

شاگرد

واصل بن عطاء نے کئی شخصیتوں پر اپنا اثر ڈالا، جن میں نمایاں ترین عمرو بن عبید (۸۰-۱۴۴ھ ۶۹۹-۷۶۱ء) ہے، جو واصل بن عطاء کا ہم عمر اور امام حسن بصریؒ کی مجلس میں رفیق درس تھا؛ لیکن جب واصل نے ایمان وکفر کے مابین درمیانی راہ نکالی اور اس پر اپنے دلائل دیئے تو عمرو بن عبید واصل کے ساتھ ہوگیا اور پھر عمرو بن عبید نے بھی اس کے ساتھ مل کر فرقہ معتزلہ کی تاسیس اور تقویت میں عمر عزیز کو رائیگاں کیا، اس کے علاوہ بھی فرقہ معتزلہ کے کئی بڑے نام جنھوں نے معتزلہ فرقہ کو فکری طاقت دی، وہ بھی واصل بن عطا کے ہی شاگرد رہے ہیں؛ لیکن اب یہ سارے نام تاریخ کی گرد میں چھپ چکے ہیں؛ لہٰذا ان کے کریدنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔

حضرت حسن بصریؒ کی مجلس سے علاحدگی

تقریباً تمام مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے اور اسی واقعہ کو معتزلہ فرقہ کے قیام کی بنیاد بھی بتایا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ایک صاحب حضرت امام حسن بصریؒ کی محفل میں آئے اور عرض کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے مسلمان جو گنہگار ہیں، ان کے گناہ کی وجہ سے ان کے ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، جیسے کفر کے ساتھ کوئی عمل خیر مفید نہیں، ویسے ہی ایمان کے ساتھ کسی گناہ سے نقصان نہیں (بعض مصادر میں اس کے مقابل اہل سنت کا موقف نقل کیا گیا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ گناہ کرنے والے اگرچہ فاسق ہیں؛ لیکن ایمان کے دائرہ سے باہر نہیں، (۱) اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر ہے اور گناہ کبیرہ پر بغیر توبہ کے مرنے والے کافر ہیں، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت حسن بصریؒ جواب سوچ ہی رہے تھے کہ واصل نے جھٹ سے کہا: ایسے لوگ نہ مومن ہیں اور نہ کافر ہیں؛ بلکہ یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان ہیں، یہ بات بول کر وہ امام حسن بصریؒ کے شاگردوں کو اپنی بات کے حق میں دلیل دینے لگا، اس کی کٹ حجتی سن کر حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، اے واصل ہم سے الگ ہوجاؤ، حضرت حسن بصریؒ کے مجلس میں شریک لوگوں میں سے عمرو بن عبید نے اس کی پیروی کی، اور حضرت حسن کی مجلس چھوڑ کر واصل کے ساتھ ہوگیا، حضرت حسن بصریؒ کے قول: ''اعتزل عنا یا واصل'' کی وجہ سے واصل کے نظریات پر مبنی گروہ معتزلہ کے نام سے تاریخ میں جانا گیا۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے: اللباب فی الانساب: ۱۵۶/۳۔ (۲) الوافی بالوفیات: ۲۴۵/۲۷۔

معتزلہ نام کی وجہ

اس فرقہ کا نام معتزلہ کیوں پڑا، اس کے بارے میں مشہور روایت تو یہی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا تھا اور دور رہنے کی تاکید کی تھی، اس وجہ سے اس فرقہ کا نام معتزلہ پڑا، اور زیادہ تر مؤرخین اور سوانح نگار یہی لکھتے آئے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں بھی ذکر ہوا۔

ایک دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے نہیں ؛ بلکہ مشہور محدث اور مفسر قتادہ بن دعامہ نے واصل بن عطاء، عمرو بن عبید کے گروہ کو معتزلہ کا خطاب دیا تھا، واقعہ یہ ہے :

> ایک دن حضرت قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ کی مسجد میں آئے، جہاں واصل بن عطاء کا گروہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس سے الگ ہوکر حلقہ جمایا تھا، واصل بن عطاء کے گروہ میں زور وشور سے بحث ہورہی تھی، حضرت قتادہ کی بینائی جواب دے چکی تھی، وہ آواز سن کر واصل بن عطاء کے حلقہ کی طرف چلے گئے، جب ان کی باتیں سنیں توفرمایا: ''إنما هؤلاء المعتزلة''۔
>
> یہ تو اسلاف، جمہور اُمت سے الگ تھلگ نظریات رکھنے والے لوگ ہیں۔(۱)

حال کے دنوں اس تعلق سے ایک دلچسپ رائے سامنے آئی ہے، شیخ ابوزہرہ اور احمد امین وغیرہ نے تقی مقریزی کے واسطہ سے لکھا ہے کہ اس دور میں اور اس سے قبل بھی یہودیوں میں ایک گروہ تھا جس کو ''فروشیم'' کہا جاتا تھا اور جس کا معنی معتزلہ کے لفظ سے قریب تر تھا، وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، اور توراۃ کی تفسیر فلاسفہ کے اقوال کے ساتھ کرتے تھے جیسا کہ کے معتزلہ بھی قرآن وحدیث کے نصوص کو فلاسفہ کے اقوال کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے تو ہوسکتا ہے کہ ان ہی فروشیم گروہ کے کچھ لوگ اسلام لائے ہوں اور دونوں گروہ میں یہ مماثلت دیکھ کر ان کو معتزلہ کا لقب دیا ہو۔(۲)

معتزلہ فرقہ کی نمایاں شخصیت یا بانی؟

اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ واصل بن عطاء معتزلہ کے گروہ میں نمایاں ترین شخصیتوں میں سے ایک ہے؛ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ آیا وہ اس فرقہ کا بانی ہے یا محض اس فرقہ کی نمایاں شخصیت، حافظ ذہبی، (۳) اور حافظ

(۱) دراسات فی الفرق والعقائد الاسلامیہ، ص:۸۵۔

(۲) دیکھئے: المذہب الاسلامیہ أبوزہرہ:۲۰۹، فجر الاسلام:۱/ ۳۴۴، الخطط: ۴/ ۳۶۸۔

(۳) تاریخ الاسلام تبشار: ۳/ ۹۴۷۔

صفدی،(۱) اوران کے علاوہ دیگر مؤرخین نے بھی معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء کو ہی قرار دیا ہے، اور تاریخ کے مطالعہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ؛ کیوں کہ معتزلہ سے پہلے قدریہ اور خوارج تھے ، خوارج کے مرتکب کبیرہ کے کافر ہونے کے رد میں واصل بن عطاء نے ایمان وکفر کے مابین درمیانی راہ نکالی جو کہ معتزلہ کے بنیادی افکار میں سے ایک ہے۔

خاص اعتقادات

معتزلہ نے چوں کہ عقل کو اس کی حد سے زیادہ آگے بڑھایا تھا اور عقل کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں ہر آن تغیر رونما ہوتا ہے، آج کوئی دلیل لاجواب ہے تو کل کو وہی دلیل بھونڈی اور بودی معلوم ہوگی ، آج جس بات پر تالیاں پیٹی جاتی ہیں کل اسی پر بات کہیں پٹائی بھی ہوجائے گی، اس لئے معتزلہ میں آگے چل کر بہت سارے فرقہ بنے ؛ بلکہ تقریباً ہر نمایاں شخصیت کے نام سے معتزلہ میں ایک فرقہ بن گیا۔

واصل بن عطاء کے نام سے بھی فرقہ بنا، جسے فرقوں کی تاریخ میں ''واصلیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ گروہ شہرستانی کے بیان کے مطابق چھٹی صدی ہجری تک موجود تھا،(۲) اس گروہ کے خاص اعتقادات درج ذیل ہیں :

نفی صفات

صرف ذات باری قدیم ہے، صفات باری قدیم نہیں ہے، ذات خداوندی میں ہی صفات خداوندی شامل ہیں ، الگ سے کوئی چیز نہیں ؛ کیوں کہ اگر صفات کو علاحدہ اور قدیم مانا جائے تو پھر تعدد قدماء لازم آتا ہے، مشہور معتزلی مصنف قاضی عبدالجبار ہمذانی لکھتے ہیں :

> واصل کا نظریہ نہایت سادہ تھا کہ صفات کو اگر قدیم اور ذات سے علاحدہ مانا جائے تو اس سے تعدد معبود لازم آئے گا ، واصل بن عطاء کے بعد آنے والے معتزلہ نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس نظریہ میں مزید برگ وبار پیدا کیا اور اس کو فلاسفہ کے نظریہ کی آمیزش سے آب وتاب دیا۔

تقدیر

اس باب میں اس کا نظریہ یہ تھا :

اللہ تعالیٰ حکیم اور عادل ہیں ، ان کی جانب شر اور ظلم کی نسبت درست نہیں ، اور نہ

(۱) الوافی بالوفیات:۲۷/۲۵۴۔ (۲) الملل والنحل:۱/۴۶۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ انھوں نے بندوں کو کسی چیز کا حکم دے کر اس کے مخالف امر کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر اس پر بدلہ دیتے ہیں، پس بندہ ہی خیر وشر، ایمان وکفر اور طاعت ومعیت کا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے فعل پر ان بدلہ دیں گے۔

ایمان اور کفر کے مابین درجہ

اس بارے میں حضرت حسن بصریؒ کی حکایت ماقبل میں آچکی ہے، قاضی عبدالجبار ہمذانی واصل کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

واصل کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ ایمان خصال خیر کے مجموعہ کا نام ہے، جب یہ کسی میں پایا جائے تو اس کو مومن کہیں گے اور یہ مدح کا لقب ہے اور فاسق اس کو کہتے ہیں، جس میں خیر کے خصال جمع نہ ہوں اور نہ مدح والے لقب یا نام کا مستحق ہو، تو اس کو مومن نہیں کہیں گے اور وہ چوں کہ مکمل طور پر کافر بھی نہیں ہے، اس لئے کہ شہادت ایمان اور دیگر تمام اعمال خیر اس میں موجود ہیں، جس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ لیکن جب کوئی شخص کسی کبیرہ کا ارتکاب کر کے بغیر توبہ کئے ہوئے اس دنیا سے جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بنتا ہے؛ کیوں کہ آخرت میں صرف دو ہی فریق ہیں، ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں؛ لیکن ایسے لوگوں کو کفار کے مقابلے کم عذاب ہوگا۔

واصل بن عطاء کے کچھ غلط نظریات

قتال صحابہؓ

کہتے ہیں گناہ ہو یا پھر غلط خیال اور فکر ونظر، جب انسان ایک مرتبہ اس کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو اگر تو وہ توبہ نہ کرے اور اپنے غلط خیال سے رُجوع نہ کرے تو وہ مزید آگے بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ ایمان کی سرحد ہی پھلانگ جاتا ہے۔

واصل نے اس خیال سے ایمان اور کفر کے درمیان نیا درجہ نکالا کہ اس سے گناہ گار کے عذاب دیئے جانے اور ایمان والوں پر انعام کئے جانے کے درمیان تطبیق ہوجائے؛ لیکن اہل سنت کے موقف سے ہٹے اس نظریہ سے

تطبیق تو کیا ہوتی، وہ مزید گمراہی کی دلدل میں دھنستا چلا گیا، اسی نظریہ کا شاخسانہ تھا کہ وہ جنگ جمل اور صفین میں شریک ہونے والی صحابہ کرام کی عظیم ترین شخصیات بشمول حضرت علی، حضرات حسنینؓ اور حضرت اُم المومنین عائشہؓ کے بارے میں گستاخی کرتا تھا، اس کا کہنا تھا دونوں گروہوں میں سے ایک لازمی طور پر گناہ گار ہے، اور جب ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے تو ہم دونوں کو گناہ گار اور فاسق مانیں گے اور فاسق کی چوں کہ شہادت قابل قبول نہیں؛ لہٰذا وہ یہ بھی کہتا تھا کہ یہ حضرات یعنی حضرت علی، حضرات حسنین، حضرت طلحہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین اگر کسی سبزی کے مٹھا کے بارے میں بھی گواہی دیں گے تو میں ان کی گواہی قبول نہیں کروں گا، نعوذ باللہ منہ۔

واصل بن عطا کا نظریہ جو قاضی عبدالجبار ہمذانی نے پیش کیا ہے، اس کو انھیں کے لفظوں میں بیان کیا جاتا ہے:

> دونوں فریق میں سے ایک ضرور فاسق ہے، جیسا کہ لعان کرنے والوں میں سے ایک ضرور فاسق ہوتا ہے؛ لیکن متعین طور پر نہیں، اور فاسق کے بارے میں واصل کا نظریہ ماقبل میں تم جان چکے ہو، اور دونوں فریق کا اقل درجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی شہادت قبول نہ کی جائے، جیسا کہ لعان کرنے والوں کی بھی شہادت قبول نہیں کی جاتی ہے؛ لہٰذا (حضرت) علی، (حضرت) طلحہ، (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہم) کی گواہی سبزی کے ایک مٹھ پر بھی قبول نہیں کی جائے گی۔(۱)

وہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک ہونے والوں کو ارتکاب کبیرہ کی بنیاد پر فاسق کہتا تھا اور اسی کے ساتھ اس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے جو لوگ بغیر توبہ کے مرتے ہیں، وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم کا ایندھن بنیں گے، ایسے میں حضرات صحابہ کرامؓ جن کو وہ مرتکب کبیرہ سمجھتا تھا، اسی کی رائے کے مطابق خلود فی النار کے بھی مستحق ہیں، نعوذ باللہ۔(۲)

قرآن کا معنی میں انحصار

اُمت کا اتفاق ہے کہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، اور جو لوگ اس موقف کو نہیں مانتے، وہ شدید گمراہی میں مبتلا ہیں، واصل بھی ان ہی لوگوں میں سے تھا جو صرف معنی کو قرآن سمجھتا تھا اور لفظ کے بارے میں اس

(۱) المنیۃ والامل، ص: ۳۰-۳۱۔

(۲) تاریخ الاسلام تبشار: ۳/۴۹۷۔

کی رائے یہ تھی کہ اس کو تبدیل کر کے پڑھا جاسکتا ہے، حافظ ذہبیؒ نے اس بارے میں ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے اور پھر اس بارے میں اپنی رائے بھی پیش کی ہے۔

واصل سے کہا گیا کہ سورہ براءت کی پہلی آیت پڑھے، جو کہ یہ ہے :

بَرَاءَةٌ مِنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ إِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ۔ (التوبۃ:۱-۲)

اس نے اس آیت کو ایسے پڑھا :

عهد من الله و نبيه إلى الذين عاهدتم من الفاسقين فسيحوا في البسيطة هلالين وهلالين ۔ (۱)

وہ قرآن کی بالمعنی تلاوت کو جائز سمجھتا تھا اور یہ اللہ کی کتاب کے بارے میں جسارت اور بے جا جرأت ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ معتزلہ کا یہ موقف فرع تھا اور ان کا اصل موقف قرآن کے بارے میں یہ تھا کہ وہ اللہ کی دیگر مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے، اسی کے ساتھ قرآن کے اعجاز کے بارے میں ان کا موقف یہ بھی تھا کہ قرآن کا اعجاز کہ اس کا مثل لانے سے لوگ قاصر ہیں، اس لئے ہے کہ اللہ نے لوگوں کو قرآن کا مثل تیار کرنے سے پھیر دیا تھا، روک دیا تھا، نہ کہ اس لئے کہ لوگ اس کا مثل لانے سے قاصر تھے، اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ذہن وقلب کو اس کا مثل تیار کرنے سے پھیر نہ دیتے تو اس کا مثل تیار کیا جاسکتا تھا۔(۲)

افکار معتزلہ کے فروغ کی کاوش

عمومی طور پر جو لوگ علمی اور فکری اُمور سے وابستہ ہوتے ہیں، وہ انتظامی اور عملی اُمور میں زیادہ مستعد نہیں ہوتے اور جو لوگ عمل کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں، وہ علم وفکر کے میدان میں بیشتر آخری صفوں میں ہوتے ہیں، بہت کم لوگ دونوں کے جامع ہوتے ہیں، واصل بھی ان ہی نادر شخصیات میں سے ایک تھا، جہاں ایک طرف اس نے معتزلہ کو فکری طور پر مضبوط کیا، تصنیف وتالیف اور بحث ومباحثہ کے ذریعہ معتزلہ فکر کو تقویت بخشی، وہیں دوسری طرف اس نے معتزلہ فرقہ کے فروغ کے لئے مختلف شہروں اور ملکوں میں اپنے نمائندے بھیجے، قاضی عبدالجبار ہمذانی اس بارے میں لکھتے ہیں :

(۱) تاریخ الاسلام تبشار: ۳/۹۴۷۔ (۲) دیکھئے: اعلام الزرکلی: ۸/۱۰۹۔

اس نے اپنے شاگردوں اور مبلغوں کو دنیا بھر میں پھیلایا، ابو ہذیل کہتے ہیں: واصل نے عبداللہ بن حارث کو مغرب (مراد اندلس یا موجودہ اسپین یا افریقہ) بھیجا تو وہاں بہت سے لوگوں نے معتزلہ کے افکار کو قبول کیا، اور حفص بن سالم کو خراسان بھیجا تو وہ ترمذ میں داخل ہوا، اور ایک مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنالیا یہاں تک لوگوں میں اپنے زہد وعبادت کے لئے مشہور گیا، پھر اس نے جہم سے مناظرہ کیا اور اس کو لاجواب کر دیا اور جہم کو مجبوراہل حق (معتزلہ مراد ہیں) کے موقف کی جانب رُجوع کرنا پڑا، پھر جب حفص بصرہ لوٹ آیا تو جہم اپنے پرانے موقف پر لوٹ گیا، اور قاسم کو یمن اور ایوب کو جزیرہ بھیجا، حسن بن ذکوان کو کوفہ اور عثمان الطویل کو آرمینا بھیجا، (حاشیہ میں ہے کہ حسن بن ذکوان کی دعوت سے بہت سے کوفہ کے لوگ معتزلی ہوگئے) عثمان نے واصل سے عرض کیا کہ میرے بجائے کسی اور کو بھیج دیں اور میں اپنا آدھا مال اس کے بدلے میں دینے کو تیار ہوں، واصل نے اس سے کہا: تم ہی جاؤ، ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہارے اس نکلنے میں نفع بخشے، عثمان تجارت کے سامان کے ساتھ آرمینا چلا گیا، اس کو وہاں تجارت میں ایک لاکھ کا فائدہ بھی ہوا اور اس کی دعوت پر بہت سارے لوگ نے فکر اعتزال کو بھی اپنالیا۔(۱)

کہتے ہیں کہ واصل بن عطا کی اعتزال کی دعوت سادات تک بھی پہنچی اور سادات کی ایک جماعت نے بھی اعتزال کے فکر کو اپنالیا۔(۲)

اولیات واصل بن عطاء

واصل بن عطاء کو بعض اُمور اور اقوال میں اولیت کا مقام حاصل ہے، ذیل میں ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

- علم کلام میں اولین تصنیف واصل بن عطاء کی ہے۔
- اسی نے پہلی مرتبہ یہ بات کہی ہے کہ خبر کی دو قسمیں ہیں، خاص اور عام۔
- حق کو چار ذرائع سے پہچانا جاسکتا ہے :

(۱) کتاب اللہ۔ (۲) خبر متواتر۔
(۳) عقلی دلیل۔ (۴) اجماع اُمت۔

- نسخ امر اور نہی میں ہوتا ہے، اخبار میں نسخ نہیں ہوتا۔(۳)

(۱) المنیۃ والامل، ص:۱۷۔ (۲) مقاتل الطالبیین:۲۱۱۔ (۳) شذرات الذہب۔

اخلاق وصفات

لمبی گردن

واصل کی گردن معمولی سی اس حد تک زیادہ لمبی تھی کہ وہ اس کے جسمانی عیوب میں شمار کی جاتی تھی، عمرو بن عبید نے بھی پہلے پہل جب واصل کو دیکھا تو اس کی لمبی گردن کی وجہ سے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ جس کی ایسی گردن ہو، اس کے پاس کوئی بھلائی نہیں ہوسکتی؛ لیکن جب واصل کی علوم وفنون میں مہارت اور رُسوخ کو دیکھا تو اپنے قول سے رُجوع کرلیا اور کہا :

بعض اوقات مجھ سے لوگوں کو پہچاننے میں غلطی ہوجاتی ہے۔(۱)

واصل سے عمرو بن عبید کا تاثر اس حد تک بڑھا کہ اس نے اپنی بہن کی شادی اس سے کردی۔

لکنت

لکنت ایک عام وصف ہے، جس میں ہکلاہٹ اور تتلاہٹ دونوں جمع ہیں، ہکلانے کا مطلب کسی لفظ کو بار بار دوہرانا یا کسی لفظ پر اَٹک جانا، بڑی مشکل سے ادا ہونا وغیرہ ہے، جب کہ تتلاہٹ میں حرف کا مخرج بدل جاتا ہے، کسی حرف کی جگہ کوئی اور حرف زبان سے نکلتا ہے، بچے پانی کو عام طور پر مانی کہتے ہیں، یہ تتلاہٹ ہے کہ وہ ''پ'' کو ''م'' سے بدل دیتے ہیں، بعض بڑی عمر کے لوگوں میں بھی یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ کسی حرف کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے اور اس کی جگہ دوسرا حرف ان کی زبان سے نکلتا ہے۔

واصل بن عطاء میں بھی تتلاہٹ کا وصف تھا، وہ ''را'' کو ''غین'' سے بدل دیتا تھا، مثلاً: ''صراط'' کو ''صغاط'' کہتا تھا، اپنی اس خلقی کمزوری کا توڑ اس نے یہ نکالا کہ عربی زبان میں مہارت حاصل کی، عربی زبان کے الفاظ پر اس قدر حاوی ہوگیا کہ اس نے ایسے تمام الفاظ ترک کردیئے جس میں ''را'' آتا ہو، اور اس کی جگہ اس کا متبادل لفظ استعمال کرتا تھا، عربی زبان میں ''را'' کثیر الاستعمال حرف ہے؛ لیکن اس کے باوجود پوری زندگی اس حرف کا استعمال ترک کردینا اور اس کی جگہ ایسے متبادل لفظ کا استعمال جس میں ''را'' نہ ہو، فی البدیہ اور برجستہ استعمال کرنا قدرت کلام کی اور عربی زبان پر مہارت کی نادر مثال ہے، اس سلسلے میں اس کے بعض واقعات نہایت مشہور ہیں، ذیل میں چند ذکر کئے جاتے ہیں :

---

(۱) المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار: ۱۷۰/۴۔

● بشار بن برد ایک قادر الکلام شاعر تھا اور اس کا واصل کے ساتھ گہرا تعلق تھا، وہ اس کا مداح تھا؛ چنانچہ جب واصل نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹے کے سامنے اپنا وہ مشہور خطبہ دیا، جس میں ''را'' کا ایک بھی لفظ استعمال نہیں کیا تو اس کی تعریف میں اشعار کہے؛ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بشار نے پہلے تو رفض اختیار کیا اور پھر الحاد کی وادی میں قدم رکھا، اس سے دونوں کے روابط متاثر ہوئے، جب واصل تک بشار کے روز افزوں الحاد کی مسلسل خبریں پہنچیں تو ایک دن اس نے کہا :

أما لهذا الأعمى الملحد ، أما لهذا المشنّف المكنّى بأبي معاذ من يقتله ؟ أما والله لولا أن الغيلة سجية من سجايا الغالية لدسست إليه من يبعج بطنه في جوف منزله أو في حفله ثم لا يتولّى ذلك إلا عقيلي أو سدوسي فقال : أبو معاذ ، ولم يقل بشار ، وقال المشنف ولم يقل المرعث ، وكان بشار ينبز بالمرعث ، وقال من سجايا الغالية ولم يقل الرافضة ، وقال في منزله ولم يقل في داره ، وقال يبعج ولم يقل يبقر ، كلّ ذلك تخلصا من الراء ۔ (۱)

کیا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس کان چھدے آدمی جس کی کنیت ابومعاذ ہے کو قتل کردے، خدا کی قسم اگر دھوکے سے قتل کرنا رافضیوں کے اوصاف میں سے نہ ہوتا تو میں تدبیر سے کسی آدمی کو اس کی محفل یا اس کے گھر پر بھیجتا جو اس کا پیٹ پھاڑ کر اس کو ختم کر دیتا، پھر اس قتل کا دعویٰ کرنے والا سدوسی اور عقیلی کے سوا کوئی نہیں ہوتا، (یاقوت حموی کہتے ہیں کہ بشار مرعث کے بُرے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا، جس کے معنی ایسے شخص کے ہوتے ہیں، جس کا کان چھدا ہوا اور اس میں بالیاں ہوں اور اس کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ بچپن میں اس کے کان میں بالیاں تھیں) واصل نے مرعث کے بجائے متبادل لفظ مشنف استعمال کیا، نام بشار کی جگہ کنیت ابومعاذ، الرافضۃ کی جگہ الغالیہ، دار کی جگہ منزل اور یبقر کی جگہ یبعج کا لفظ استعمال کیا؛ تاکہ را نہ بولنا پڑے :

● يحكى : أن بعض الوزراء كان ألثغ بالراء ، فامتحن بدفع ورقة ليقرأها بحضرة سلطانه وفيها : أمر أمير المؤمنين أن تحفر له بئر على قارعة الطريق ليشرب منها الراجل برمحه ، والفارس بفرسه ، فقرأها في الحال : فوض خليفة الله على عباده أن يعمق له قليب على الجادة لأبناء السبيل ، ذو الجواد بجواده ، وذو القناة بقناته ۔ (۲)

(۱) معجم الأدباء إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب: ۶/ ۲۷۹۴۔ (۲) قلادة النحر في وفيات أعيان الدهر: ۲/ ۱۰۴۔

کسی وزیر کو جب یہ پتہ چلا کہ واصل ''را'' نہیں بول سکتا اور اس کی جگہ ''غین'' بولتا ہے؛ لیکن عربی زبان پر قدرت کی وجہ سے وہ متبادل لفظ استعمال کر کے سامنے والے کو اس بات کا احساس نہیں ہونے دیتا تو اس کو ایک ورق دیا اور اپنے سامنے پڑھنے کے لئے کہا، اس ورق میں لکھا تھا :

> یہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ ان کی جانب سے راستہ پر ایک کنواں کھودا جائے، جس سے سوار اور پیادہ اپنی پیاس بجھا سکیں۔

اس عبارت میں کئی لفظ ایسے استعمال ہوئے ہیں، جن میں را ہے، جیسے امر (حکم دینا)، امیر المومنین، (مسلمانوں کا والی)، حفر (کنواں کھودنا)، بیئر (کنواں) قارعۃ الطریق (راستہ کے درمیان)، شرب (پینا) الراجل (پیادہ پا) رمح (نیزہ) فارس (گھوڑسوار) فرس (گھوڑا) واصل نے ان تمام کا متبادل لفظ استعمال کیا، امر کی جگہ فوض، امیر المومنین کی جگہ خلیفۃ اللہ علی عبادہ، حفر کی جگہ عمق، بیئر کی جگہ قلیب، قارعۃ الطریق کی جگہ الجادۃ، راجل کی جگہ ذوالقناۃ، رمح کی جگہ قناۃ، فارس کی جگہ ذوالجواد اور فرس کی جگہ جواد۔

واصل کا گفتگو اور بات چیت میں را کا استعمال نہ کرنا اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ شعراء تک نے اس پر بڑے دلچسپ اور عمدہ اشعار کہے ہیں، ابن عباد کہتے ہیں :

> نعم تجنّبت ''لا'' یوم العطاء　　　کما تجنب ابن عطاء لفظة الراء
>
> ہاں بخشش اور کرم کے دن آپ نے ''لا'' کے لفظ سے ایسے ہی اجتناب کیا، جیسا کہ ابن عطاء نے را کے لفظ کے استعمال سے کیا تھا۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا :

> ویجعل البر قمحاً في تصرفه　　　وخالف الراء حتی احتال للشّعر
>
> ولم یطق مطرا والقول یعجله　　　فعاذ بالغیث إشفاقا من المطر
>
> واصل برِ (گیہوں) کا متبادل لفظ قمح استعمال کرتا ہے اور اس کا را کے زبان پر لانے سے اجتناب کرنا اتنا مشہور ہوا کہ شعر و شاعری میں بھی جگہ پالیا ہے، مطر (بارش) وہ کہہ نہیں سکتا تھا اور اس کو بولنے کی جلدی تھا تو اس نے مطر کے بجائے غیث (بارش کا متبادل لفظ) میں پناہ ڈھونڈا۔

ایک اور شاعر اپنی محبوبہ سے فریاد کرتے ہوئے کہتا ہے :

> وجعلت وصلي الراء لم تنطق به　　　وقطعتني حتی کأنك واصل

تم نے ہمارے ملاپ کو را کا لفظ بنا دیا ہے کہ جس کو بولا نہیں جا سکتا اور ہمارے وصل کی بات کو تم نے ایسا ختم کیا ہے، گویا تم واصل ہو۔

اس شعر میں صنعت تضاد کی کارفرمائی ہے یعنی قطع اور وصل، ایک اور شاعر اپنی محبوبہ سے اس طرح درخواست کر رہا ہے :

فلا تجعلني مثل همزة واصل　　فيلحقني حذف ولا راء واصل

تم مجھ کو نہ ہمزہ وصل بناؤ جو حذف ہو جائے اور نہ واصل کا را بناؤ، جس کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے۔

اس کے علاوہ بھی شعرا نے واصل کے را پر بڑی طبع آزمائی کی ہے بالخصوص ایسے شاعروں نے جن کا محبوب واقعی یا خیالی طور پر تتلا ہو۔

خاموشی

حضرت حسن بصریؒ کی مجالس میں واصل بن عطاء خاموش رہتا تھا، اس کی خاموشی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ لوگ اس کو اخرس (گونگا) بولنے یا سمجھنے لگے تھے، (المنیۃ والامل، ص:۷۰) اس کی خاموشی کو دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا، یا تو یہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم ہوگا یا سب سے بڑا جاہل ہوگا۔ (طبقات المعتزلہ، ص:۲۳۵)

زہد وروع

واصل بن عطاء دنیاداری سے بہت دُور تھا، وہ بقدر کفاف پر گزر بسر کرتا تھا، زندگی کے عیش وعشرت سے اسے کوئی مطلب نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کرتے ہوئے جاحظ نے ایک شعر میں کہا تھا کہ اس نے کبھی درہم اور دینار کو ہاتھ نہیں لگایا :

ولامس ديناراً ولامس درهماً　　ولاعرف الثوب الذى هوقاطعه (۱)

مسکینوں کی خبر گیری

کسی فرد یا جماعت میں برائیوں کے باوجود اگر کوئی خوبی ہو تو اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ یہی انصاف کا تقاضا بھی ہے اور اس عمل خیر پر تحریک کہ باطل جماعت کا کوئی فرد اگر نیکی کا کوئی عمل انجام دے رہا ہے تو حق والوں کو تو مزید کوشش کرنی چاہئے۔

---

(۱)　المنیۃ والامل، ص:۷۰۔

واصل بن عطاء کا لقب غزال زا پر تشدید کے ساتھ، مشہور نحوی امام مبرد نے اپنی کتاب کامل میں اس کی صراحت کی ہے کہ سوت کاتنا جس کو عربی میں غزل کہتے ہیں، اس کا یا اس کے آباء واجداد کا پیشہ نہیں تھا؛ بلکہ سوت کاتنے والوں کے ساتھ بکثرت اُٹھنے بیٹھنے اور سوت کے بازار میں آمد ورفت کی وجہ سے اس کو لوگوں نے اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا، مبرد نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ سوت کے بازار میں اس کی یہ آمد ورفت کسی مالی معاملہ کی وجہ سے یا اس کے کاروبار کی وجہ سے نہیں تھی؛ بلکہ اس لئے کہ اس بازار میں زیادہ تعداد غریب عورتوں کی ہوتی تھی، وہ ان میں پاک دامن محتاج عورتوں کی شناخت کرتا اور پھر ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتا، ان پر صدقہ کرتا :

لم يكن واصل بن عطاء غزالاً، ولكنه كان يلقب بذلك لأنه كان يلازم الغزالين ليعرف المتعففات من النساء فيجعل صدقته لهن ۔ (۱)

اس کا یہ عمل خیر آج بھی دعوت عمل دے رہا ہے کہ غریب اور محتاج لوگوں کی مدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

عبادت

واصل بن عطاء عبادت میں بھی بہت کوشاں تھا، وہ پوری پوری رات مصلے پر گزار دیا کرتا تھا، اس کی بیوی اس کے مصلے کے پاس وضو کے لئے پانی اور دوات وقلم رکھ دیا کرتی تھی، دوات اور قلم اس لئے رکھ دیا کرتی تھی، وہ نماز کے دوران کسی ایسی آیت کو پڑھتا جس میں اس کو لگتا ہے کہ اس کے اعتقاد کے لئے یا اس کے مخالفین کے خلاف حجت اور دلیل ہے تو وہ اس کو لکھ لیتا تھا اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتا تھا۔ (۲)

مناظرات

جس کی زبان میں لکنت یا تتلاہٹ ہوتی ہے، وہ تقریر کے بجائے تحریر کی جانب متوجہ ہوتا ہے؛ لیکن واصل اپنے عجز لسانی کے باوجود عربی زبان پر قدرت اور مہارت کی وجہ سے اپنے مخالفین سے اور اپنے شاگردوں سے دھڑلے سے مناظرہ کرتا تھا اور مخالفین کو خاموش کر دیتا تھا، جو واقعتاً کمال ہے اور جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

منافق اور فاسق پر مناظرہ

واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید دونوں ہم سن اور ہم درس تھے؛ اس کے باوجود عمرو بن عبید نے واصل کے

---

(۱) وفیات الأعیان: ۶/ ۱۱، معجم الأدباء، إرشاد الأریب إلی معرفة الأدیب: ۶/ ۲۷۹۳، تاریخ الاسلام تبشار: ۳/ ۷۴۹۔

(۲) المنیة والامل، ص: ۱۷۔

علم وفضل کی وجہ سے ایک شاگرد کی طرح استفادہ کیا، (یہ ہمارے لئے بھی مشعل راہ ہے، جہاں ہم میں نخوت اور جاہلانہ شرم اپنے معاصرین سے اخذ واستفادہ میں مانع ہوجاتی ہے) ان دونوں میں ایک باراس بات پر مناظرہ ہوا کہ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہا جائے یا منافق کہا جائے، عمرو بن عبید کا موقف تھا کہ مرتکب کبیرہ منافق ہے، جب کہ واصل کی رائے یہ تھی کہ وہ فاسق ہے، منافق نہیں ہے، واصل نے عمرو سے پوچھا: تم مرتکب کبیرہ کو منافق کیوں کہتے ہیں، اس کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ عمرو نے جواب دیا: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کو فاسق قرار دیا ہے، (سورہ نور:۴) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ''بے شک منافق تو فاسق ہی ہوتے ہیں'' (توبہ:۶۷) اس سے پتہ چلا کہ ہر فاسق منافق ہی ہوتا ہے۔

اس پر واصل نے عمرو سے کہا، قرآن پاک میں ہے: جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ظالم ہیں (سورہ مائدہ:۴۵) اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کافر تو ظالم ہی ہوتے ہیں'' (سورہ بقرہ:۲۵۴) اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ ہر ظالم کافر ہے، یہ سن کر عمرو بن عبید خاموش ہوگیا۔

واصل نے عمرو کے موقف پر مزید اعتراض کرتے ہوئے کہا: اگر تہمت لگانے والے کے بارے میں کہا جائے کہ اس کے دل میں شروع سے ہی اللہ کی معرفت موجود نہ تھی؛ لیکن اس کا اظہار اب ہوا، تو سوال ہوگا کہ آپ نے تہمت لگانے سے قبل اس پر نفاق کا حکم نہیں لگایا، اگر یہ کہا جائے کہ تہمت لگانے کے وقت معرفت اس کے دل سے نکل گئی تو سوال ہوگا کہ تہمت لگانے کے بعد جب تہمت لگانا اس نے چھوڑ دیا، پھر معرفت قلب میں داخل کیوں نہیں ہوئی؟ اور مزید سوال یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ کی معرفت دلائل سے ہوتی ہے اور یہ معرفت کسی شبہ کے داخل ہونے سے ختم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ تہمت لگانے والے کے دل میں ایسا کیا شبہ ابھرا ہے جس سے اس کی معرفت ختم ہوگئی؟

پھر واصل نے عمرو سے سوال کیا کہ مرتکب کبیرہ کے لئے وہ لفظ زیادہ موزوں ہے جس پر اتفاق ہے یا وہ لفظ جس میں اختلاف ہے، عمرو نے جواب دیا: وہ لفظ جس پر اتفاق ہے، واصل نے کہا: اہل اسلام مختلف فرقوں میں ہونے کے باوجود مرتکب کبیرہ کے لئے فسق کا لفظ اختیار کیا ہے، خوارج مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتے ہیں، مرجیۃ مرتکب کبیرہ کو فاسق کہتے ہیں، شیعہ کافر نعمت اور فاسق کہتے ہیں، صرف حسن بصریؒ نے منافق (عملی) کا لفظ اختیار کیا ہے، تو ایسے میں ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ہم لفظ اختیار کریں جس میں اہل اسلام متفق ہیں، نہ کہ وہ لفظ جس میں اختلاف ہو، یہ سن کر عمرو بن عبید نے کہا: میرے اور حق کے درمیان عداوت نہیں، صحیح قول آپ کا ہی ہے اور میں حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے قول سے رُجوع کرتا ہوں۔(۱)

---

(۱) المنیۃ والامل، ص:۷۴-۷۵۔

یہ طویل مناظرہ اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے معتزلہ کے سوچنے سمجھنے کے انداز اور مناظرہ کے طرز پر روشنی پڑتی ہے۔

تصنیفات

واصل بن عطاء فروغ اعتزال کے لئے صرف زبانی مناظرے اور اپنے مبلغین کو مختلف علاقوں میں بھیجنے پر قناعت نہیں کرتا تھا؛ بلکہ اس نے اپنی فکر کی اشاعت کے لئے بہت ساری کتابیں بھی لکھیں اور اپنے موقف کے حق میں دلائل بھی دیئے، مشہور نحوی مبرد لکھتے ہیں :

واصل بن عطاء کی کلام اور دیگر فنون میں متعدد تصنیفات ہیں۔(۱)

ذیل میں اس کی تصانیف ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) معانی القرآن۔ (۲) کتاب التوبۃ۔
(۳) کتاب الخطب فی التوحید۔ (۴) کتاب المنزلۃ بین المنزلتین۔
(۵) کتاب السبیل الی معرفۃ الحق۔ (۶) کتاب ما جری بینہ وبین عمرو بن عبید۔
(۷) کتاب اصناف المرجئۃ۔ (۸) کتاب خطبہ التی اخرج منھا الراء۔
(۹) طبقات اہل العلم والجہل۔ (۱۰) الخطب فی التوحید والعدل۔
(۱۱) الدعوۃ۔ (۱۲) الالف مسالۃ فی الرد علی المانویۃ۔(۲)

آخر الذکر کتاب کے بارے میں عمرو بن باہلی کہتے ہیں کہ اس کتاب کے پہلے جزء کو میں نے دیکھا تو پایا کہ اس میں مانویہ کے اسی سے زائد مسائل کی تردید کی گئی تھی (المنیۃ والامل، ص:۲۷) اس سے اس کی ضخامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کتاب میں مانویہ کے ہزار مسائل کی تردید کی گئی تھی۔

معتزلہ کے گروہ میں ایک بڑا نام ابو ہذیل علاف کا بھی ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ واصل کی وفات کے بعد وہ اس کی بیوی کے پاس آیا تو واصل کی بیوی نے اس کو واصل کی تصنیفات میں سے دو جھولے بھر کر دیئے، ابو ہذیل کے جو بھی کلامی مباحث ہیں، زیادہ تر ابو ہذیل نے واصل کی تصنیفات سے ہی لی ہیں۔

---

(۱) مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان: ۱/۲۱۶۔

(۲) الوافی بالوفیات: ۲۷/۲۴۸، معجم الأدباء، إرشاد الأریب إلی معرفۃ الأدیب: ۶/۲۷۹۵۔

خدمتِ اسلام

واصل بن عطاء اور معتزلہ کے دامن پر اگرچہ اسلام کی صحیح تعلیمات سے انحراف کا بدنما داغ موجود ہے؛ لیکن حق بات یہ ہے کہ اس کا اعتراف کیا جائے کہ معتزلہ نے ایک جہت سے اسلام کی خدمت بھی کی ہے، معتزلہ نے دیگر مذاہب کے ماننے والوں، ہندو، بدھ مانوی، عیسائیوں، یہودیوں سے بکثرت تقریری اور تحریری مناظرے کئے، اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے اور ان کے نظریات کی غلطی اور خامیوں کو ان پر ظاہر کیا، جس کی وجہ سے بہت سے افراد نے اپنے آبائی مذاہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا، معتزلہ کی اس خدمت کا اعتراف حضرت شیخ اسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی متعدد مواقع پر کیا ہے اس نسبت سے واصل بن عطاء کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے۔

جہم بن صفوان جو جہمیہ فرقہ کا بانی گزرا ہے، اس سے ایک مرتبہ بعض سمنیہ (بدھسٹ) نے سوال کیا کہ اللہ معلوم ہے یا مجہول ہے، معلوم تو وہ چیز ہے جو حواس خمسہ سے معلوم ہو اور جو چیز حواس خمسہ کے دائرہ سے باہر، وہ چیز مجہول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ حواسِ خمسہ کے دائرہ سے باہر ہے، اس لئے مجہول ہے، اس پر جہم بن صفوان لا جواب ہو گیا اور اس نے اس بارے میں واصل بن عطاء کو خط لکھا، واصل نے جواب میں اسے لکھا: کسی چیز کے علم کے لئے حواسِ خمسہ کافی نہیں، اس کے ساتھ چھٹی چیز بھی ہوتی ہے اور وہ دلیل ہے، ان سے پوچھئے کہ وہ زندہ اور مردہ میں اور پاگل اور عقل مند میں کس بنیاد پر فرق کرتے ہیں اور یہ چیز دلیل سے پہچانی جاسکتی ہے، جب جہم نے سمنیوں کو اس جواب سے آگاہ کیا تو انھوں نے کہا: یہ تمہارا جواب نہیں ہوسکتا، اس پر جہم نے ان کو واصل کے تعلق سے آگاہ کیا، وہ لوگ واصل کے پاس آئے اور واصل نے ان سے بات کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔(۱)

وفات

واصل بن عطاء کی فکر اگرچہ غلط تھی، اس کا جو علم دینِ حق کی نصرت اور حمایت میں صرف ہونا تھا، اس کے بجائے وہ گمراہی اور باطل نظریات کے فروغ میں لگا؛ لیکن واصل نے معتزلی فکر کی نشر واشاعت اور فروغ کے لئے جس طرح انتھک محنت کی، وہ قابل تعریف ہے اور غالب کا شعر یہاں پر زیادہ موزوں ہے :

وفا داری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بُت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑ و برہمن کو

(۱) المنیۃ والامل، ص: ۲۷۔

واصل بن عطاء کا انتقال بصرہ میں ۱۳۱ ہجری میں ہوا، وفیات الاعیان میں غلط طور پر ۱۸۱ ہجری چھپا ہے، یہ شاید پروف کی غلطی ہے کہ ثلاثین کی جگہ ثمانین ہو گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

واصل بن عطاء کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہایت ذہین شخص تھا، عربی زبان وادب پر گہری دسترس اور ماہرانہ گرفت رکھتا تھا، اس کی زندگی سادہ بلکہ زاہدانہ تھی، بحث ومباحثہ میں سامنے والے کو قائل کر لینا اس کے لئے بہت آسان سی بات تھی، اس سب کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی فکر سے اور اس کی کاوشوں سے اسلام کو فائدہ نہیں نقصان پہنچا، اور ان سب کی بنیادی وجہ دینی مسائل میں اظہار خیال کی جسارت بے جا ہے، صحابہ کرامؓ سے حضور پاک ﷺ جب کچھ پوچھتے تھے تو وہ اللہ ورسولہ اعلم کہتے تھے، یہی حال اکابر تابعین کا بھی رہا ہے کہ اساتذہ کی موجودگی میں خاموش رہتے تھے اور اسی وقت بولتے تھے جب ان کے استاذ ان سے کچھ پوچھتے ہوں، واصل کے یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت حسن بصریؒ کے جواب کا بھی انتظار نہیں کرتا؛ بلکہ ان سے پہلے ہی اس مسئلہ میں دخل دیتا ہے اور پھر اپنے جواب پر نہ صرف اصرار کرتا ہے؛ بلکہ اس کی تائید وحمایت میں بھی سرگرم ہو جاتا ہے اور یہی شاید اس کے انحراف اور گمراہی کی بنیاد تھی۔

● ● ●

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی فقہی خدمات

مولانا عبید اختر رحمانی ☆

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (ولادت: ۳؍شعبان، مطابق ۲۸؍جولائی ۱۸۴۶ء، متوفی: ۶؍ربیع الاول ۱۳۴۶ھ، مطابق ۱۳؍ستمبر ۱۹۲۷ء) کی شخصیت ۱۹؍ویں صدی کی نمایاں ترین شخصیات میں سے ہیں جن کو اللہ نے ''دل دردمند، فکر ارجمند اور زبان ہوشمند'' سے نوازا تھا، جنھوں نے پہلے ملت کے سیاسی، سماجی اور علمی و دینی زوال کی وجوہات کو گہرائی سے سمجھا، پھر اس کے حل کی جانب عملی قدم اُٹھایا۔

طلب علم کا عہد اور تحقیق ومحنت

حضرت مونگیریؒ ذہانت وفطانت کے باوجود استاد سے سبق پڑھنے سے پہلے متعلقہ بحث کو نہایت محنت سے حل کرتے تھے، جب آپ کانپور میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو مفتی عنایت کاکورویؒ سے ان کی تالیف علم الصیغہ پڑھا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے طلبہ سے کہا کہ کل کا سبق بہت مشکل ہے، کتاب اچھی طرح دیکھ کر آنا، حضرت مونگیری نے بڑی محنت اور جانسوزی سے متعلقہ بحث کو حل کیا، جب اگلے دن مفتی صاحب نے طلبہ سے مطلب دریافت کئے بغیر خود مطلب بیان کرنا شروع کر دیا تو فرط صدمہ سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مفتی صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نے کل رات بڑی محنت سے اس بحث کو حل کیا تھا، مفتی صاحب نے آپ کو زیر درس سبق کا مطلب بیان کرنے کے لئے کہا اور سن کر بہت خوش ہوئے اور بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔(۱)

یہ بظاہر ایک چھوٹا سا واقعہ ہے؛ لیکن اس میں آئندہ کی تمام تر علمی ترقیوں کی نوید چھپی ہوئی ہے، اور یہی چیز ایک طالب علم کو علم کی بلندیوں پر لے جاتی ہے اور آسمان علم وفضل کا آفتاب وماہتاب بناتی ہے۔

متعلقہ بحث کے لئے پہلے سے پوری تیاری اور اس کے لئے بھرپور محنت سے آپ کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جب شرح ملا پڑھتے تھے تو اپنے استاد سے جو منطق اور فلسفہ کے ماہر تھے، ان سے تین تین دن سبق کے مالہ وماعلیہ پر بحث کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت مونگیری مولانا سہول کو لکھتے ہیں :

☆ نگراں شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

(۱) سوانح مولانا محمد علی، از: حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، ص:۸۔

خیال کیجئے ، میں شرح ملا پڑھتا تھا اور جناب مولانا سید حسین شاہ مرحوم سے بعض بعض سبق میں تین تین دن گفتگو رہی ہے اور سید صاحب غصہ ہو گئے ہیں ۔(۱)

آپ کا یہ ذوق وشوق علم کبھی کم نہیں ہوا؛ بلکہ جب آپ استاذ العلماء حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی سے ہدایہ اور توضیح پڑھتے تھے تو ان سے بحث کرتے تھے اور آپ کے مباحثے اس قدر عمدہ ہوتے تھے کہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی حیران رہ جاتے تھے، اور اپنے شاگرد کی علمی ترقی سے نہ صرف خوش ہوتے تھے؛ بلکہ دوسروں کے سامنے فخریہ بیان فرماتے تھے :

الحمدللہ ہمارے بعض طلبہ سبق میں ایسی عمدہ بحثیں کرتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے ۔(۲)

مسئلہ کی تحقیق کیلئے کتب خانوں کا سفر اور اہل علم سے بحث وتمحیص

کسی بھی موضوع کے تمام متعلقہ اطراف وجوانب کا احاطہ آپ کی خصوصیت تھی ، یہی وجہ ہے کہ آپ فراغت کے بعد مسائل کی تحقیق کے لئے مولانا عبدالحی لکھنوی کے پاس لکھنو جا کر نہ صرف ان کے کتب خانہ سے استفادہ کرتے تھے؛ بلکہ ان کے ساتھ زیر بحث مسئلہ پر گفتگو اور بحث بھی فرماتے تھے، ایک خط میں آپ لکھتے ہیں :

بعد تحصیل میرے پاس کتابیں نہیں تھیں تو صرف مسئلہ کے لئے لکھنو جاتا تھا، اور آٹھ آٹھ دس دس پندرہ پندرہ روز صرف اسی غرض سے رہتا تھا ، مولوی عبدالحئ مرحوم صاحب سے نہایت رابطہ تھا، اور ان سے کتابیں لے کر دیکھتا تھا اور مسئلہ کی تحقیق کرتا تھا ۔(۳)

مولانا محمد سہول کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

میں نے عمر کا اکثر حصہ علم ہی کی خدمت میں گزارا ہے، اور خدا کے فضل سے طالب علمی کے زمانہ ہی سے تحقیق مطالب اور تنقیح مطالب کا شوق رہا ہے ۔(۴)

اسی طرح حضرت مونگیری نے ایک مرتبہ پٹنہ کا سفر محض خدا بخش کتب خانہ میں موجود کتابوں کا مطالعہ کرنے کے لئے کیا ہے ۔(۵)

---

(۱) سوانح مولانا محمد علیؒ، از: حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، ص:۱۰ ۔

(۲) سوانح مولانا محمد علیؒ، از: حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، ص:۱۰ ۔

(۳) کمالات محمدیہ، ص:۹ ۔ (۴) مقامات محمدیہ، ص:۱۴ ۔

(۵) سوانح مولانا محمد علی، ص:۱۴ ۔

علم حدیث کی محنت سے تحصیل

ایسا نہیں کہ حضرت مونگیری نے صرف فقہی کتابوں کو ہی محنت سے پڑھا ہو؛ بلکہ یہی حال حدیث میں تھا آپ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

حدیث پہلے مولانا لطف اللہ صاحب سے اسی طرح ایک دو ورق کرکے پڑھی ہے، جس طرح ہدایہ وغیرہ۔(۱)

جب آپ اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادبادی سے بیعت ہوئے تو ان کے اثر سے یہ شوق دوآتشہ ہوگیا اور حدیث سے محبت سوا ہوگئی، یہی وفورِ شوق تھا، جو آپ کو اس زمانہ کے علم حدیث کے مرجع اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری تک لے گیا، اور ان کے پاس گیارہ مہینے رہ کر آپ نے صحاح ستہ، موطا امام محمد اور موطا امام مالک پڑھی اور باوجودیکہ آپ ان کے شاگرد تھے، وہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور آپ کے حاضر ہونے پر اگر لیٹے ہوں تو اُٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔(۲)

اس دور کے مشہور محدث مولانا آل احمد پھلواری جنھوں نے اپنے دور کے اجلہ علما و محدثین سے فیض پایا تھا، انھوں نے آپ کو بلاطلب اجازت حدیث مرحمت فرمائی، حضرت مونگیری مختلف مشائخ کی اسناد جمع کرنے کی جانب چنداں راغب نہ تھے اور ان کا رجحان یہ تھا کہ صلاحیت اور لیاقت ہونی چاہئے اگرچہ ایک شیخ سے ہی پڑھ کر حاصل ہو، اور اگر بہت ساری اسناد جمع کر لی؛ لیکن صلاحیت سے عاری ہیں تو کیا فائدہ ہوا :

بعض صاحبوں کو سند لینے کا شوق ہوتا ہے، مگر ہمیں کبھی اس کا خیال نہ ہوا؛ کیوں کہ اگر ہمیں کچھ آتا ہے تو ایک ہی سند کافی ہے؛ بلکہ ایک تحریر بھی اگر نہ ہو لوگ پڑھیں گے اور فائدہ پہنچے گا، کوئی سند دیکھ کر نہیں پڑھے گا، اور اگر کچھ نہیں آتا اور التجا کرکے اور خطوط لکھ کر دنیا بھر سے سند منگالیں، بجز اس کے کہ نفس کو فخر ومباہات کا موقع مل گیا اور ایک قسم کا فریب دنیا کو دینا ہے۔(۳)

واضح رہے کہ حضرت مونگیری کی اس تحریر میں اسناد جمع کرنے کی مطلقاً مذمت نہیں ہے؛ بلکہ اس شرط کے ساتھ ہے جب کہ محض اس نے اسناد جمع کی ہوں اور علم حدیث میں رُسوخ نہ ہو، اگر کسی کے اندر مطلوبہ لیاقت بھی ہے اور وہ اسناد جمع بھی کر رہا ہے تو یہ نور علی نور ہے۔

---

(۱) کمالات محمدیہ، ص:۹۔ (۲) سیرت مولانا محمد علی مونگیری، ص:۴۵۔ (۳) مقامات محمدیہ، ص:۱۴۔

حدیث اور فقہ سے لگاؤ

حضرت مونگیریؒ نے اگر چہ ابتدا میں منطق اور فلسفہ کی تحصیل میں بہت محنت کی تھی؛ لیکن آگے چل کر خود سے اس سے ایک حد تک مولانا لطف اللہ صاحب سے پڑھنے کے دوران ہی بیزار ہوگئے اور پھر اپنے مرشد کے حکم اور اثر سے منطق اور فلسفہ کو بالکلیہ ترک کر دیا اور بعد کی علمی زندگی میں ان کی توجہ کا مرکز صرف حدیث اور فقہ کا علم رہا؛ چنانچہ حضرت مونگیری نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اپنی موجودہ علمی حالت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

> اس خاکسار کی عمر مسائل دین کی تحقیق میں گزری ہے، حدیث وفقہ دونوں پر خوب نظر کی ہے۔(۱)

کتابوں کا شوق

جیسا کہ آپ نے پڑھا کہ حضرت مونگیری بعض مسائل کی تحقیق کے لئے کتابیں پاس نہ ہونے کی وجہ سے لکھنو کا سفر کرتے تھے اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے کتب خانہ سے استفادہ کرتے تھے، بعد میں جب اللہ نے وسائل فراہم کئے تو آپ نے تقریباً تمام ضروری اور اہم مصادر ومراجع کی کتابیں خرید لیں اور اس طرح آپ کے پاس ایک اچھا اور بڑا ذاتی کتب خانہ تیار ہوگیا، حضرت مونگیری اس بارے میں لکھتے ہیں: ''اس کے بعد فقیر کے پاس بڑا کتب خانہ تیار ہوگیا''(۲) اور ان کے خلف الصدق حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں :

> عربی علوم وفنون کی شاید ہی کوئی قابل ذکر کتاب ہوگی جو اس کتب خانہ میں موجود نہ ہو، یہی حال فارسی زبان کے سلسلہ میں ہے، اس کتب خانہ کے متعلق اتنی بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ کم از کم ہندوستان کے مشرقی حصہ میں لکھنو سے لے کر بنگال کی آخری سرحد تک خدابخش خان لائبریری (پٹنہ) اور کتب خانہ ندوۃ العلماء کے سوا اتنا بڑا کتب خانہ نہیں جو تشنگان علم کو سیراب کرسکتا ہو۔(۳)

حضرت مونگیری اور فقہی خدمات

مسلکی شدت میں کمی اور اعتدال کی رہنمائی

حضرت مونگیری جس عہد میں تھے، اس میں مختلف فکری دھڑے ایک دوسرے سے دست وگریبان تھے،

(۱) کمالات محمدیہ، ص:۹۔ (۲) کمالات محمدیہ، ص:۹۔ (۳) سوانح مولانا محمد علی، ص:۱۴۔

نئی روشنی اور قدامت پسندی کا جھگڑا تھا، (۱) ایک طرف دینی علوم میں رسوخ کی کمی کی وجہ سے معجزات اور قرآن کی صریح آیات تک کو تاویل کی خراد پر چڑھایا جارہا تھا تو دوسری طرف اللہ ورسول کی توہین پر مشتمل کرامتوں کو ماننے پر بھی زور دیا جارہا تھا، اور حالت یہ تھی کہ ایک فریق دوسرے کو دنیاوی اُمور سے ناواقف ،عصری مطالبات اور تقاضوں سے جاہل سمجھتا تھا تو دوسرا فریق پہلے کو بے دین، اللہ اور اس کے رسول کا گستاخ مانتا تھا، اور دونوں فریق کی یہ دوری دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔

اس کو اکبرالہ آبادی نے اپنے ایک شعر میں نہایت بلاغت سے بیان کیا ہے :

اِدھر یہ ضد ہے کہ لیمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دُھن ہے کہ ساقی صراحیٔ مئے لا

دوسری جانب اہل حدیث اور مقلدین کی نزاع تھی ، باہم مناظرے ، رسائل بازیاں ، مار پیٹ ، کیس مقدمہ عام بات تھی ، آمین بالجہر اور قرات خلف الفاتحہ کے مقدمات انگریزوں کی عدالت میں فیصل ہوتے تھے ، مخالف علماء کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کے تحت اقدام قتل تک کی وارداتیں ہوتی تھیں ؛ چنانچہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کو زہر دیا گیا (۲)، بعض فرقوں میں تو فکری مخالف کو مستحل الدم اور اس کے مال کو مال غنیمت تک سمجھا جانے لگا تھا ؛ چنانچہ اس سلسلے میں مولانا عبدالحی حسنی صاحب نے اپنے سفرنامہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت مولانا نذیرحسین صاحبؒ کے مدرسہ کے ایک استاد نے ایک شوہر دار عورت کو اغوا کرلیا اور ایسا اس لئے کیا کہ وہ حنفیہ کو مشرک، مستحل الدم اور ان کے مال واسباب کو مال غنیمت سمجھتے تھے، دلی (۳) صدیوں سے ملک کی راجدھانی تھی، اس فکری انتشار اور مسلکی شدت پسندی میں بھی وہ راجدھانی تھی، مولانا عبدالحی حسنیؒ اپنے سفر دہلی میں اس بارے میں لکھتے ہیں :

> دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد جامع مسجد نماز کے واسطے گیا، نماز کے بعد جابجا وعظ ہونے لگا، منبر پر مولوی محمد اکبر وعظ کہتے ہیں، یہ بزرگ حنفیوں کا خوب خاکہ اُڑاتے، دل کھول کر تبرا کرتے ہیں اور اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی ہے، فرماتے تھے آخص کون ہے جس نے ہدایہ سے توبہ کر کے کلام مجید کی تعظیم شروع کی ،

---

(۱) مراد سرسید احمد خان اور ان کے مخالفین ہیں۔

(۲) مقاصد ندوۃ العلماء، ص:۱۵، بحوالہ: سیرت حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری، ص:۹۹۔

(۳) دہلی اور اس کے اطراف، ص:۵۹-۶۰۔

> سب جہنم میں جائیں گے، اور ہر ہر بات پر اپنی بڑائی بیان کرتے ہیں، ہر آیت کو اہل دہلی اور اپنے اوپر اُتارتے ہیں، اہل دہلی کو ظالمین اور مشرکین سے ملاتے ہیں اور اپنے تئیں آنحضرت ﷺ سے ــــ عیاذاباللہ ــــ دوسرے صاحب مئذنہ کے پاس بھی اسی طور پر حنفیہ کا خاکہ اڑا رہے تھے؛ لیکن کف لسان کے ساتھ، تیسرے صاحب دوسری جانب مئذنہ کے محدثین و متبعین سب کی خبر لے رہے تھے، انحنا و قیام تعظیمی کے منع کرنے پر سخت وسست کہہ رہے تھے، چوتھے صاحب حوض پر کچھ مناجاتیں اور نعتیہ غزلیں پڑھ کر لوگوں کو اپنی طرف راغب کر رہے تھے، الغرض ایک بڑ بونگ تھا، اس ہڑدنگے پن کو دیکھ کر نہایت افسوس ہوا، خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں، جب سلطنت اسلام کی جاتی رہی تو جس کا جو جی چاہے کرے۔(۱)

تیسری جانب بعض مسائل میں اختلاف پر مشہور بریلوی عالم مولانا احمد رضا خان اور ان کے کچھ ہم خیال تکفیر و تفسیق کی گرم بازاری برپا کئے ہوئے تھے؛ چنانچہ کبھی تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر باری تعالیٰ کے حق میں امکان کذب کی تہمت تراش کر تکفیر کی گئی، کبھی حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو منکر ختم نبوت کہا گیا اور کبھی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو گستاخ رسول قرار دیا گیا، اتنے پر ہی بس نہیں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اور علامہ شبلی نعمانیؒ کی بھی تکفیر و تفسیق ہوئی۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے بھی اس عہد کی مسلکی لڑائیوں پر اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے؛ چنانچہ آپ ندوۃ العلماء کے اولین روئداد میں لکھتے ہیں :

> اب خیال کیجئے، مقلدین غیر مقلدین میں کیسی کیسی شرمناک لڑائیاں ہوتی ہیں، ایک بھائی دوسرے بھائی کی جان، مال کا، آبرو کا، کس طرح خواہاں ہوتا ہے، خلاف مذہب کے اجلاس میں مقدمات جاتے ہیں، ہمارے محترم علماء مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث ان کے جوتوں کے پاس ان کے نیچے ڈھیر ہوتی ہیں، اور آمین ورفع یدین کی تحقیق جناب چوبے گھنشیام داس صاحب بہادر اور کرمول صاحب بہادر کے روبرو پیش ہوتی ہیں اور اس کو دین خیال کیا جاتا ہے، افسوس صد افسوس، ایسے فہم وخیال پر، ہمارے علماء کا

---

(۱) دہلی اور اس کے اطراف، ص:۶۸-۶۹۔

اس طرح اجلاس میں کھڑا ہونا کیا شان علماء کے خلاف نہیں ہے؟ کیا ہمارے دین کی کتابوں کا اور ہمارے ہادی برحق کے ارشادوں کا یوں بے حرمتی سے رکھا جانا دین کی ہتک نہیں ہے؟ مذہبی اختلافات کا جھگڑا مخالفین مذہب کے روبرو پیش کرنا سخت بے دینی نہیں ہے؟(۱)

ان حالات میں سب سے بڑا کام یہ تھا کہ مسلکی شدت پسندی کو کم کیا جائے، ایک دوسرے کے تعلق سے جو غلط نظریات ذہن ودماغ میں بھرے ہوئے ہیں، ان کو دور کیا جائے، ایک دوسرے کی بات کو اعتدال کے ساتھ سمجھا جائے اور غور کیا جائے اور سب سے بڑھ کر رواداری اور برداشت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

حضرت مونگیری نے بعینہ یہی کام کیا، حضرت مونگیری نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھا مسلکی شدت پسندی کو ختم کرنے کا سب سے سیدھا طریقہ یہی ہے کہ ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور اس طرح ان کو ایک دوسرے کو جاننے، سمجھنے کا موقع ملے، افہام وتفہیم ہو، اس سے مسلکی گروہ بندی کی شدت بھی کم ہوگی اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو بھی ذرا زیادہ رواداری سے سمجھا جائے گا، مختلف الخیال علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی بات کہنا بہت آسان ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ کام پہاڑ کھودنے جتنا ہی مشکل ہے، انھوں نے اس عہد میں جس کی ایک مختصر جھلک گزشتہ صفحات میں دکھائی گئی، مختلف الخیال اور مختلف مکاتب فکر وفقہ سے وابستہ علماء اور افراد دیوبندی، بریلوی، مقلد، غیر مقلد، نئی روشنی اور پرانی روشنی والے تمام افراد کو ایک جگہ جمع کیا، جس کی توجیہ سوائے اس کے اور نہیں کی جاسکتی کہ حضرت مونگیری ملتِ اسلامیہ کے ہر طبقے میں مقبول تھے اور ان کی آواز کو سبھی نے قبولیت کے کانوں سے سنا اور اس پر لبیک کہا اور کمالات محمدیہ کے مصنف کے اس خیال کی بھی تردید نہیں کی جاسکتی کہ یہ ایک کرامت تھی جس نے تسبیح کے مختلف دانوں کو ایک دھاگے میں پرو دیا :

علماء مقلدین وغیر مقلدین میں آپ نے (مولانا محمد علی) نے ملاپ کرادیا جو بجز کرامت کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔(۲)

ندوۃ العلماء کا جو پہلا جلسہ ہوا ہے، اس میں شیعہ مجتہد، بریلوی علماء میں سے خود مولانا احمد رضا خان بریلوی، اور اہل حدیث علماء میں سے مولانا ابراہیم آروی، مولانا حسین بٹالوی شریک تھے، فکر سرسید کے حامیوں میں سے مولانا حالی اگرچہ شریک نہ ہوسکے؛ لیکن اپنا مقالہ بھیجا تھا اور اس کی تائید کی تھی، اس کے بعد بھی ندوۃ العلماء کے ملک کے مختلف گوشوں میں متعدد اجلاس ہوئے، جن میں مختلف مکاتب فکر سے وابستہ علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات شریک ہوئے، اور ایک دوسرے کو نہ صرف سمجھا بلکہ مدتوں کا دل پر پڑا بدگمانی کا گرد وغبار دور ہوا، حضرت مولانا محمد علی مونگیری ندوہ کے مقاصد کے تحت لکھتے ہیں :

---

(۱) روئداد ندوۃ العلماء سال اول حصہ اول، ص: ۱۵-۱۶۔ (۲) کمالات محمدیہ، ص: ۱۳۷۔

● دوسرے مقصد کو لیجئے ، اتفاق اور رفع نزاع باہمی ، ظاہر میں یہ نہایت دلکش الفاظ ہیں، مگر اس کے حاصل کرنے میں جو دقتیں اور مصیبتیں ہیں، ان سے انھیں کا دل خوب واقف ہوگا، جنھوں نے کبھی دنیا میں کسی بڑے کام کرنے کا ارادہ کیا ہو، الحمدللہ کہ ندوۃ العلماء چند دنوں میں بہت کامیاب ہوا ہے، اور جس کی توقع مشکل سے کی جاتی تھی، اس نے دونوں فریقوں میں قبولیت پیدا کی اور اپنے فرائض کو بہت ذمہ داری سے انجام دیا، ندوۃ العلماء نے اس تھوڑی مدت میں وہ کامیابی حاصل کی ہے جس کو دوسری انجمنیں زمانۂ دراز میں بھی نہیں کرسکتی تھیں، اور ہم کو اُمید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اس طور پر رفتہ رفتہ ندوۃ العلماء کے اثر سے ملک وقوم کے سامنے ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ تمام جھگڑے اور نزاعیں ایک بے وقعت افسانہ سمجھی جائیں گی، میں اس مقام پر اس کی چند نظیریں سرسری طور پر پیش کرتا ہوں۔

● سب جانتے ہیں کہ ایک مدت سے تقلید اور عدم تقلید کے جھگڑے کس زور وشور سے برپا ہیں ، جن کی وجہ سے بڑے بڑے ہنگامے ہوئے ، عدالت فوجداری تک نوبت پہنچی اور لوگوں کو سزائیں ہوگئیں ، اسی طرح سے عدالت ہائے دیوانی میں آمین بالجہر اور رفع یدین کے مقدمے دائر ہوئے ، علماء اور کتب مقدسہ کی آبروریزی ہوئی ، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے ولایت تک مقدمے پہنچے مگر الحمدللہ جب سے ندوۃ العلماء قائم ہوا ہے اور اس نے نزاعوں سے اپنی نارضامندی ظاہر کی، اس وقت سے اب تک کوئی نزاع نہیں پیدا ہوئی، اور تمام مسلمان اس جھگڑے سے نہایت امن وآسائش میں بسر کررہے ہیں۔

● مولانا شاہ امانت اللہ صاحب اور مولانا ابومحمد ابراہیم بانی مدرسہ احمدیہ آرہ کے درمیان ندوۃ العلماء نے صلح کرادی اور پورب کے سب ہنگامے فرو ہوگئے، ندوۃ العلماء کا یہ کارنامہ معمولی نہیں۔

● علاوہ ان سب اُمور کے ندوۃ العلماء کی یہ برکت کیا کم ہے کہ اب تک علماء کی جماعت میں ربط واتحاد کا کوئی خاص سلسلہ نہ تھا، اور غالباً اسی کی وجہ سے مناظروں میں سختی اور بے مروتی سے نزاعیں پیدا ہوجاتی تھیں، اب ندوۃ العلماء کی وجہ سے یہ بات جاتی رہی اور جو علماء سال میں ایک بار جمع ہوجاتے ہیں ان میں ایک

خاص قسم کا ربط واتحاد پیدا ہو گیا ہے، اور جو بدگمانیاں نہ ملنے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں وہ دُور ہو گئی ہیں، اس لئے اب ان کی جانب سے ایک دوسرے سے منافرت کا اندیشہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک ان میں اتحاد باقی رہے گا، مسلمانوں میں نفاق پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔(۱)

اس بات کا اعتراف حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی مولانا مسعود عالم ندویؒ کی کتاب ''مولانا عبیداللہ سندھیؒ اوران کے افکار ونظریات پر ایک نظر'' کے مقدمہ میں کیا ہے؛ چنانچہ آپ مقلد اور غیر مقلد کشمکش کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

ولی اللہی تحریک کی یہ دونوں شاخیں (اہل حدیث اوراحناف) تقلید وعدم تقلید کے مباحث کے علاوہ اُصول میں تقریباً ایک تھیں، مگر افسوس کہ ان فقہی فروعات کو ان دونوں نے یہ اہمیت دی کہ ہندوستان کے طول وعرض میں سالہا سال تک دست وگریبان ہو کر اپنے اصل مقصد سے ہٹ گئیں، یہ دیکھ کر ندوۃ العلماء کے نام سے ایک اور دعوت پیدا ہوئی، جس نے ان فروعات میں اپنا مسلک صلح کل تجویز کیا اور چاہا کہ دونوں کو بغل گیر کر کے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرے۔(ص:۲۳)

حضرت مونگیریؒ کی اس تدبیر سے مسلکی شدت پسندی میں بڑی حد تک کمی واقع ہوئی، اور میری حقیر رائے میں یہ اس عہد کی بڑی فقہی خدمت تھی، جس پر اس زاویہ سے تاحال غور نہیں کیا گیا ہے۔

علماء اور جدید تعلیم یافتگان میں قربت

علاوہ ازیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مونگیری نے ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے جس طرح جدید وقدیم طبقہ کو یکجا کیا اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع فراہم کیا، وہ بھی اس عہد کی بڑی دینی خدمت تھی؛ کیوں کہ علماء کا عوام سے کٹ جانا یا عوام کا علماء سے سروکار نہ رکھنا دین کی بنیاد کے انہدام کے برابر ہے اور کوئی بھی دینی خدمت تب تک بارآور نہیں ہوسکتی جب تک علماء اور عوام میں خلوص واحترام اور شفقت ومحبت کے روابط نہ ہوں، آج بھی اسلام دشمن طاقتیں یہی کام کر رہی ہیں کہ عوام کو علماء سے بیزار اور متنفر کر رہی ہیں۔

ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے جس طرح مسلکی گروہ بندی اور شدت پسندی میں کمی آئی، اسی طرح جدید وقدیم کے درمیان کی دوری بھی کم ہوئی، ندوۃ العلماء کے ہر اجلاس میں عصری تعلیم یافتہ حضرات کو بھی مدعو کیا جاتا تھا؛

(۱) رپورٹ اجلاس پنجم ندوۃ العلماء، بحوالہ تاریخ ندوۃ العلماء:۱/۲۰۱-۲۰۳۔

لیکن ندوۃ العلماء کے عظیم آباد (پٹنہ) کے اجلاس میں بالخصوص قدیم اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے میل جول سے بڑی حد تک طرفین کی بدگمانیاں دور ہوئیں، اور اس سلسلے کی پہلی کامیابی یہ تھی کہ سرسید احمد خان اور نواب محسن الملک نے مقاصد ندوہ کی نہ صرف تائید کی؛ بلکہ اس کو علی گڑھ کی تعلیمی اسکیم کا ہی ایک خاکہ سمجھا، سرسید احمد خان نے حضرت مونگیریؒ کو خط میں لکھا :

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسا جلسہ جس میں ہمارے زمانہ کے علماء وا کابر واسطہ فلاح مسلمانوں کے جمع ہوں گے، منعقد ہونے والا ہے، ندوۃ العلماء کے اغراض جس کو میں نہایت عمدہ اور مفید خیال کرتا ہوں۔(۱)

نواب محسن الملک نے اس کو علی گڑھ کے مقاصد تعلیم میں سے ایک قرار دیا اور کہا کہ ہمارے اور ندوہ کے مقصد میں کوئی فرق نہیں ہے :

میں قوم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ حضرات علماء نے زمانہ کی ضرورت کو دیکھا اور ہماری اصلاح وترقی پر متوجہ ہوئے، یہی ہماری خواہش تھی اور یہی ہمارا مقصود ہے، خواہ وہ ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے یا ندوۃ العلماء کے مبارک لقب سے اور اس کے لئے ہم علی گڑھ میں جمع ہوں، یا کانپور میں۔(۲)

ایجوکیشنل کانفرنس میں ندوہ کے تعلق سے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا، جس کی عبارت حسب ذیل تھی اور جس کو ہزاروں کی تعداد میں سرسید احمد خان نے چھپوا کر تقسیم کرایا :

اس کانفرنس کی یہ رائے ہے کہ جلسہ ندوۃ العلماء جو بمقام کانپور منعقد ہوا تھا، اور جس میں علماء اور اکابرین دین جمع ہوئے تھے، تمام مسلمانوں کی توجہ کے لائق ہے اور اس کے مقاصد یعنی اصلاح طریقۂ تعلیم اور رفع نزاع باہمی نہایت عمدہ اور مفید ہیں، تمام مسلمانوں کو ایسی عمدہ اور مفید مجلس کی جس سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی بہبود مقصود ہے، بہ دل وجان قلم سے، قدم سے، درم سے مدد کرنی چاہئے۔(۳)

ندوۃ العلماء کا جو وفد بانکی پور پٹنہ گیا تھا، جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے علماء کی ملاقات اور تاثرات کو مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ نے ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے :

(۱) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، مطبوعہ ۶/اپریل ۱۸۹۴۔

(۲) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں نواب محسن الملک کی تقریر بابت: ۱۸۹۴ء۔

(۳) محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ ۱۸۹۴ء۔

علمائے ندوۃ العلماء نے شروع سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مانوس کرنے کی جو کوشش کی، اس کا ظہور اس مقام پر جو مسلمانوں کی روشن خیالی کا زبردست مرکز ہے یعنی بانکی پور، جب مولوی سید شرف الدین کے ڈرائنگ روم میں قدیم وجدید تعلیم کے قائم مقام اول مرتبہ ملے تھے، جاڑے کی شب تھی، علماء پہلے سے رونق افزا تھے، جب سیاہ اوور کوٹوں سے ہال میں تاریکی پیدا ہوئی تو چوں کہ ہمارے محترموں کی نگاہ کے سامنے اول مرتبہ یہ سماں آیا تھا؛ اس لئے کسی قدر منقبض ہوئے مگر گفتگو نے جلد اصل حال سے پردہ اُٹھا کر ظاہر کردیا ''آب چشمۂ حیواں درون تاریکی است'' تاریک کوٹوں کے اندر عقیدت مندی اور نور خلوص سے روشن دل چھپے ہوئے تھے۔(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی اس اجلاس کو جدید وقدیم کا سنگم اور باہم ملاپ بتایا ہے اور اس کی تشبیہ گنگا اور سون ندی کے سنگم سے دی ہے، ندوۃ العلماء کا ساتواں اجلاس پٹنہ میں ہوا اور اس میں بطور خاص جدید تعلیم یافتہ حضرات بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات نے ندوۃ العلماء کے مقاصد سے کی بھرپور تائید کی اور ان کی علماء کے تعلق سے بدگمانیاں اور غلط فہمیاں بھی دُور ہوئیں، اس اجلاس میں ندوہ کے سحبان مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے قدیم وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے اتصال پر دلچسپ اور پر مغز تقریر کی، ان کی تقریر کا ایک حصہ یہ ہے :

مغربی علوم کے تعلیم یافتہ اور مشرقی علوم کے تعلیم یافتہ میں نہایت ہی درجہ کا تنفر ہے، مگر الحمدللہ اس جلسے میں اور ہمارے اس شہر میں دونوں قسم کے حضرات مجتمع ہیں اور نہایت صلح وصفائی کے ساتھ ایک دوسرے کی تقریر سننے پر آمادہ ہیں ؛ لہٰذا میں کہوں گا کہ مدت کے بچھڑے ہوئے مل گئے اور آج دونوں میں صلح ہوگئی۔

اگر چہ اقتباسات بہت سارے ہیں؛ لیکن طوالت کے خوف سے ہم اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں، اس سے یہ واضح ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے حضرت مونگیری نے نہ صرف مسلکی شدت پسندی کو کم کیا؛ بلکہ آپ نے جدید تعلیم یافتہ افراد اور علماء کے درمیان بڑھتے بعد اور بیگانگی؛ بلکہ بیزاری اور تنفر کو بھی دُور کرنے کی کامیاب کوشش کی، جو درحقیقت ملت اسلامیہ کی بقا کی بنیاد ہے۔

ادارہ جاتی فقہی خدمات

کسی فن کی خدمت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس فن میں تصنیف وتالیف کا ڈھیر لگا دیا جائے، جو بھی شخص یہ کام

(۱) روداد اجلاس میرٹھ، ص: ۳۵۔

کرتا ہے، بطور فرد وہ اس فن کی خدمت انجام دیتا ہے اور وہ شکریہ کا مستحق ہے؛ لیکن اس سے بڑھ کر یہ کام ہے کہ تعلیم وتدریس کے ذریعہ ایسے شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی جائے جو اس فن کی تصنیف وتالیف اور دیگر حوالوں سے خدمت کرسکیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کام ہے کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے، جہاں تعلیم وتدریس کے ذریعہ ایسے مدرس تیار ہوں جو اپنی تعلیم وتدریس سے ایسے لوگوں کی ایک کھیپ اور نئی نسل تیار کردیں جو اس فن کی خدمت انجام دے سکے اور جہاں سے ہر زمانہ میں ایسے افراد تیار ہوتے رہیں؛ کیوں کہ افراد کی عمر اداروں کی نسبت بہت کم ہوا کرتی ہے۔

اگر آپ غور کریں تو دیکھیں گے کہ بعض افراد نے فقہ کی خدمت تصنیف وتالیف کے ذریعہ کی، اور بعض نے شاگردوں کی ایک ٹیم تیار کردی، جیسے حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ادارہ ہی قایم کردیا جہاں سے حضرت شیخ الہند اور حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری جیسے عبقری بے پناہ صلاحیتوں کے افراد تیار ہوئے اور جنھوں نے صاحب قلم شاگردوں کی پوری ٹیم تیار کی۔

بعینہ اسی طرح حضرت مونگیری نے بھی ندوۃ العلماء جیسا باوقار ادارہ قائم کیا، جو قیام سے لے کر تا حال بغیر رکے تھکے دین کی خدمت انجام دے رہا ہے اور وہاں سے اصحاب قلم کی کھیپ نکل کر علم ودین کے سرچشموں کو نہ صرف سیراب کررہی ہے؛ بلکہ مستشرقین اور اسلام دشمنوں کے اُٹھائے گردوغبار سے بھی اسلام کے روشن چہرہ کو صاف کررہی ہے اور ارباب قلم کی کھیپ نکلنے کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء

ندوۃ العلماء کے فارغین کی فقہی خدمات کسی سے مخفی نہیں ہیں، کچھ عرصہ قبل ندوہ کے ایک فاضل مولانا منور سلطان ندوی نے (جو المعہد العالی الاسلامی میں زمانہ طالب علمی میں مجھ سے ایک سال سینئر تھے) اس موضوع پر ایک بیش قیمت کتاب لکھی ہے: ''ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابناء ندوہ کی فقہی خدمات'' جس سے ندوہ کی فقہی خدمات کھل کر سامنے آتی ہے، یہاں تفصیل کا موقع نہیں محض چند ندوی فقہاء کا نام لے رہا ہوں، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا مجیب اللہ ندوی، ڈاکٹر احمد علی ندوی، آخر الذکر کو ان کی فقہی خدمات کے عوض شاہ فیصل ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

جامعہ رحمانی

اگرچہ یہ افسوس کی بات ہے کہ جامعہ رحمانی کی فقہی خدمات پر کوئی کتاب تا حال نہیں لکھی گئی ہے؛ لیکن جامعہ رحمانی کی فقہی خدمات کسی بھی طور پر کسی دوسرے ادارے سے کم نہیں ہے، یہاں سے پڑھنے والوں نے فقہ کی دنیا میں اونچا نام پایا ہے، چند نام آپ کے سامنے لے رہا ہوں، حضرت امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ

رحمانی، امارت شرعیہ کے موجودہ امیر حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی، (جن کی فقہی خدمات کے عوض اُمت کے اہل علم کی جانب سے آپ کو فقیہ العصر کا خطاب ملا ہے)، حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی ودیگر۔

دارالافتاء ندوۃ العلماء

حضرت مونگیریؒ نے ندوہ کے قیام سے قبل ہی دارالافتاء کی قیام پر بڑی توجہ دی اور اگرچہ پہلے سال میں یہ کام مالی مشکلات کی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا؛ لیکن حضرت کو اس کی بڑی فکر رہی اور دوسرے سال یہ تجویز پاس ہوکر منظور ہوگئی اور مولانا لطف اللہ علی گڈھی کے شاگرد مولانا عبداللطیف صاحب کو افتاء کی ذمہ داری سونپی گئی اور عوام نے کثرت سے دارالافتاء سے رجوع کیا، یہ دارالافتاء جلد ہی شرعی مسائل میں عوام الناس کا مرکز توجہ بن گیا؛ چنانچہ حضرت مونگیری نے پانچویں سال کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> دارالافتاء میں امسال گزشتہ سال کی بہ نسبت زیادہ فتاویٰ مرتب کئے گئے ہیں امسال (۵۶۵) استفتا کے جواب دیئے گئے ہیں جن میں سے ۴۷ فتاویٰ نہایت مشکل اور پیچیدہ تھے، ان کے علاوہ ۲۲ رمسئلوں کی بطور خود تحقیق کی گئی۔

حضرت مونگیریؒ نے گیارہ دفعات پر مشتمل دارالافتاء کے لئے ایک خاکہ بھی تحریر فرمایا، افسوس کہ اس خاکہ کے نکات میرے سامنے نہیں ہیں؛ لیکن اس خاکہ سے بقول مولانا محمد حسنی ان کی ''تبحر علمی، وسیع النظری اور بصیرت'' کا اندازہ ہوتا ہے۔

ندوۃ العلماء کا دارالافتاء ایک مختصر وقفہ کے لئے تعطل کا شکار رہا؛ لیکن اس کے بعد سے لے کر آج بلا رکے اور تھکے افتاء کی خدمات انجام دے رہا ہے، ندوۃ العلماء کا دارالافتاء اگرچہ ۱۳۱۳ھ میں قائم ہوا؛ لیکن ایک عرصہ تک نقل نہ رکھنے کی وجہ سے فتاوی کا بڑا سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا، ۱۴۱۱ھ سے اب باقاعدہ فتاویٰ کو محفوظ رکھنے کا نظم کیا گیا ہے، اس درمیان سے لے کر ۲۰۰۲ء تک جو فتاویٰ محفوظ کئے گئے ہیں، ان کی تعداد سولہ ہزار تینتالیس ہے، یہ تعداد یقیناً کم ہے؛ لیکن اگر دارالافتا جب سے قائم ہوا ہے، تب سے لے کر اب تک کے فتاویٰ کو محفوظ رکھا جاتا تو یقیناً اس کی تعداد لاکھوں میں ہوتی اور بہت سارے مسائل میں ہماری رہنمائی کرتی۔

دارالافتاء جامعہ رحمانی

حضرت مونگیریؒ نے جب مونگیر میں مستقل قیام اختیار کیا اور خانقاہ رحمانی تیار ہوئی تو یہاں جو لوگ شرعی مسائل میں رہنمائی کے طالب ہوتے تھے، انھیں آپ خود فتوی لکھ کر دے دیتے تھے، بعد میں آپ نے یہ ذمہ داری دوسروں کے سپرد کردی، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دارالافتاء جامعہ رحمانی کی بنیاد ہے، جامعہ رحمانی کا دارالافتاء امارت

شرعیہ کے بعد بہار کا دوسرا مرکزی دارالافتاء ہے، یہاں سے کتنے فتاوی تاحال جاری ہوئے اور کتنوں کی نقل محفوظ ہے، راقم کو اس کی تحقیق نہیں ہے؛ لیکن اس علاقے میں دارالافتاء جامعہ رحمانی کی مرجعیت کا تقاضا ہے کہ اس کی تعداد اگر اب تک لاکھ کے قریب نہیں پہنچی تو اب پہنچنے والی ہوگی۔

الجامعہ میگزین

حضرت مونگیری نے یہ رسالہ جاری کیا تھا، جس میں عصری، دینی، اخلاقی مضامین کے ساتھ فقہی مضامین بھی ہوا کرتے تھے، الجامعہ کے مضمون نگاروں میں بڑی بڑی فقہی شخصیات ہوا کرتی تھی، نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی، حضرت امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین وغیرہم، یہ پرچہ ایک طویل عرصہ تک نکلتا رہا اور اس دوران اس نے فقہی مضامین کی اشاعت کے حوالہ سے قابل قدر کام انجام دیا ہے، اگر اب کوئی بندہ خدا الجامعہ کے پرچہ سے فقہی مضامین کو اکٹھا کرے اور ترتیب سے شائع کرے تو اس سے نہ صرف ان مضمون نگاروں کی خدمات کا دائرہ وسیع ہوگا؛ بلکہ الجامعہ کے ذریعہ کی گئی فقہی خدمت کا ایک باب بھی اہل علم کے سامنے آئے گا۔

تحریری خدمات

فقہ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین میں اختلاف ہے، متقدمین کی تعریف میں توسع ہے اور متاخرین کی تعریف تنگنائے غزل کے مصداق ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ متقدمین احناف کے یہاں فقہ کی تعریف کے دائرے میں فروعات کے ساتھ عقائد بھی شامل ہے اور صرف عقیدہ نہیں؛ بلکہ بعض تعریفات میں زہد وتصوف بھی فقہ کے دائرہ میں شامل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے منسوب کتاب جو عقیدہ میں ہے، اس کا نام الفقہ الاکبر ہے اور یہ اکبر فروعات سے امتیاز کے لئے ہے۔

اگر ہم متقدمین علماء کے فقہی نظریے سے حضرت مونگیری کی خدمات کا جائزہ لیں تو ہم پائیں گے کہ آپ کی پوری زندگی کا عنوان فقہی خدمات بن جائے گا، چاہے، آریہ سماجیوں کے بڑھتے یلغار کو روکنا ہو، عیسائیت کے سیلاب بلاخیز کے آگے بند باندھنا ہو، نبوت محمدی ﷺ کے خلاف ایک سازش کے طور پر سامنے لائی گئی قادیانی فتنہ کا بھرپور علمی تعاقب ہو، بہار خصوصا اور پورے ملک سے قادیانیت کی بیخ وبن سے استیصال ہو، یا پھر مسند ارشاد وہدایت سے آپ کی عظیم الشان خدمات ہوں، جس نے نہ معلوم کتنے نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان بنا دیا اور جن کے اندر ایمان کی چنگاری تھی ہوا دے کر شعلہ بنا دیا اور دین کی خدمت کرنے والوں کی ایک فوج تیار کردی، یہ سب متقدمین فقہاء کے نظریہ میں فقہ کے دائرے میں آتے ہیں۔

حضرت مونگیریؒ کے فقہی رسائل اور مختصر تعارف

یہ صحیح ہے کہ حضرت مونگیریؒ کی فقہ میں زیادہ تالیف وتصنیف نہیں ہیں، کئی ضخیم جلدوں میں فتاویٰ کا مجموعہ نہیں چھوڑا، اور نہ ہی ایک فقیہ اور مفتی کے طور پر ان کی وسیع شہرت ہوئی؛ لیکن اس کی وجہ خدانخواستہ حضرت مونگیری کے فقہ میں رسوخ اور مہارت کی کمی نہیں ؛ بلکہ اس زمانے کے پرآشوب حالات اور ملت اسلامیہ و دین محمدی کے خلاف فتنوں کا تسلسل اور تواتر ہے، ان حالات میں یا تو حضرت مونگیری یہ کرتے کہ ملت کے مسائل اور وقت کے تقاضوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے اور تدریس وتصنیف اور فتاویٰ نویسی کا مشغلہ اختیار کرتے ، یا پھر یہ کرتے کہ ملت کے مسائل کے لئے آگے بڑھتے اور تدریس وتصنیف کا کام بشرط فرصت رکھ چھوڑتے ، حضرت مونگیریؒ نے اول الذکر صورت کو اختیار کیا، کبھی مختلف الخیال علماء کو یکجا کر کے فقہی تعصب کو کم کیا تو کبھی قدیم وجدید کی آویزش کو دُور کرنے میں مصروف رہے، جب عیسائیت کا یلغار ہوا تو پھر اس سے مقابلہ کے لئے بھی کمر کسا اور جب قادیانیت کی شکل میں ختم نبوت ﷺ پر حملہ ہوا تو اس کے استیصال کے لئے بھی ہمہ تن تیار رہے اور عمر کے آخری سالوں میں رشد وہدایت کے مسند کو زینت بخشی اور ایک عالم کو اپنے نفس گرم کی گرمی سے ایمان کی حرارت بخشی۔

ان سب کے باوجود ایسا نہیں کہ حضرت مونگیری نے سرے سے فقہ میں تصنیف وتالیف ہی نہ کیا ہو یا اس فن شریف کی کوئی خدمت نہ کی ہو، فقہ میں آپ کے چند رسائل ہیں جو بقامت کہتر لیکن بہ قیمت بہتر کی مصداق ہیں، حضرت مونگیری کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ بھی تھا، جس کا نام ''کتاب المسئلہ تھا'' جو اب مفقود ہے اور محض دو تین قسطیں جو اس کی الجامعہ میں چھپی تھیں وہی دستیاب ہیں، اگر کتاب المسئلہ مکمل موجود ہوتی تو حضرت مونگیری کے فقہ میں رسوخ، مہارت اور فقہی مزاج ومذاق پر نمایاں روشنی ڈالتی ؛ لیکن جو کچھ موجود ہے، وہ بھی کم نہیں ہے، ذیل میں چند فقہی رسائل کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

القول المحکم فی خطابۃ العجم (اُردو میں جمعہ اور عیدین کا خطبہ)

یہ کب لکھا گیا ہے، اس ضمن میں مقدمہ میں حضرت مولانا ولی رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ مونگیر لکھتے ہیں :

> حضرت مونگیری جب کانپور رہا کرتے تھے تو وعظ وتبلیغ، بیعت وارشاد، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ساتھ علماء اور عام مسلمانوں کے دینی سوالات کے جوابات بھی پابندی سے دیا کرتے تھے، میرا خیال یہ ہے کہ یہ جواب بھی اسی زمانہ میں لکھا گیا۔(۱)

(۱) مقدمہ اُردو میں جمعہ اور عیدین کا خطبہ، ص: ۴۔

یہ ایک کتاب ایک مختصر استفتا کا تحقیقی اور تفصیلی جواب ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تمام خطبہ عربی کے سوا دوسری زبان میں پڑھنا یا خطبہ میں صرف مواعظ اور پندکو اس زبان میں بیان کر دینا جس میں مخاطبین سمجھ سکیں ، جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر جائز تو بلا کراہت جائز ہے یا با کراہت ، بینوا وتوجروا۔

یہ کتاب حضرت مونگیری کے فقہی رسائل میں انفرادی شان اور حیثیت رکھتی ہے، اور حضرت مونگیری نے جس طرح داد تحقیق دی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، کتب فقہ کی عبارتوں سے مدعا پر استدلال ہو، حسن استنباط ہو، کتب فقہ کی عبارتوں میں تعارض کا دفعیہ ہو، مصنفین کتب فقہ کے مقصد کے نقاب کشائی ہو، مخالفین کے اعتراض کا جواب باصواب ہو، غرض ہر لحاظ سے یہ کتاب آپ کی فقہی مہارت اور رُسوخ کا منھ بولتا ثبوت ہے۔

واضح رہے کہ بہت سارے علماء اردو میں خطبہ جمعہ کے قائل رہے ہیں، جن حضرات کی تصدیقات ہیں، ان کے علاوہ آپ کے معاصرین میں مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالاعلی مودودیؒ۔

غاية التنقيح فی اثبات التراويح

یہ کتاب بیس رکعت تراویح کے اثبات پر ہے، ابتدا میں اپنے معاصر علماء کی روش پر تنقید ہے کہ اسلاف سے چلے آرہے معمول کو ختم کرنے کے در پے ہیں اور ضروری واہم کاموں کو چھوڑ کر اس طرح کے فتنے پیدا کر رہے ہیں کہ تراویح محض آٹھ رکعت سنت موکدہ ہے اور کچھ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ یہ آٹھ رکعت بھی منسون نہیں بلکہ صرف مستحب ہیں، عوام جو سہولتوں کے جویا اور رخصتوں کے خواہاں ہوتے ہیں ان کو تراویح نہ پڑھنے کا اور شعائر اسلام کی شوکت میں کمی کا علماء نے سامان بہم کر دیا ہے۔

اس کتاب کی سب سے خاص بات یہ بحث ہے کہ صحابہ کرام نے جس عمل پر مواظبت فرمائی ہے، وہ بھی ویسا ہی مسنون ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا فعل مسنون ہے، اگر چہ مرتبہ کے اعتبار سے تفاوت ہو، اور اس کو کتب اُصولِ فقہ سے پوری طرح واضح کیا ہے اور کتبِ فقہ کی یا بعض دیگر فقہاء کی جن عبارتوں سے اس کے خلاف کا وہم ہوتا ہے، اس کا پورا شافی اور وافی جواب دیا ہے، اس پوری بحث کو پڑھ کر حضرت مونگیری کی فقہی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ بحث نہ صرف اس کتاب کی شان ہے بلکہ عمومی طور پر نہایت قابل توجہ بحث ہے اور اس لائق ہے کہ اس کو الگ سے شائع کیا جائے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں اور آٹھ رکعات کی جو بعض روایات ہیں، وہ ابتدا امر کی

ہیں بعد میں بیس رکعت پر تمام کا اتفاق ہو گیا اور تب سے لے کر اب تک یہی بیس رکعت تراویح ہوتی چلی آ رہی ہے، اس کتاب سے آپ کی علم حدیث میں گہری نظر، اُصولِ فقہ میں وسعت نظر فقہ کتب فقہ کی عبارتوں کے ظاہر مطلب سے گزر کر ان کے حقیقی مقصود تک پہنچنے کا ملکہ بخوبی جھلکتا ہے۔

احکام التراویح

یہ کتاب غاية التنقيح کے بعد کی تصنیف ہے اگر چہ مختصر ہے؛ لیکن اس کے باوجود تراویح کے تمام گوشوں کے مسائل پر محیط ہے، اس میں مسائل ذکر کرنے کے بعد اپنے دور کی خرابیوں کا بھی بیان ہے چاہے وہ حفاظ کرام کی جانب سے ہو، نمازیوں کی جانب سے ہو یا عام کوتاہی ہو رہی ہو، بعض مسائل میں حضرت مصنف نے اپنی رائے رکھی ہے، بعض مسائل کو اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق فرمایا ہے اور بعض مسائل میں اپنی قیمتی رائے پیش کی ہے۔

مسلمان ایک اُمت ایک جماعت

امارت شرعیہ کا قیام ۱۳۳۹ھ میں ہوا، پہلے امیر کے انتقال کے بعد دوسرے امیر کے لئے ۱۳۴۳ھ میں پھلواری شریف میں ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت کے لئے حضرت مونگیری پر اتفاق رائے ہوا، حضرت مونگیری اپنی علالت کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے؛ لیکن ان کا یہ اہم علمی وفکری اور تاریخی خطبہ ان کے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت مولانا لطف اللہ صاحب نے بحیثیت قائم مقام صدر پڑھا۔

حضرت مونگیری کا یہ خطبہ مقاصد شریعت، حدیث اور فقہ پر گہری نظر کا آئینہ دار ہے اور اس بات کا بھی کہ اللہ نے ان کو ثاقب نظر اور اصابت رائے عطا فرمائی تھی، یہ پورا خطبہ ہی اس قابل ہے کہ ہر عالم اس کو پڑھے اور سمجھے اور جہاں امارت اسلامی نہیں ہے وہاں اسے رائج کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

کتاب المسئلہ

حضرت مونگیری کے سوانح نگار مولانا سید محمد حسنی نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ ''وہ خانقاہ رحمانی میں مشہور ہے'' یہ کتاب حضرت مونگیری کے فتاویٰ پر مشتمل ہے، جو آپ نے وقتاً فوقتاً استفتا کے جواب میں مرحمت فرمایا، حضرت مولانا نعیم رحمانی صاحب (استاذ حدیث وناظر کتب خانہ جامعہ رحمانی) نے اس کے متعلق یہ فرمایا کہ شاید بہار کے زلزلہ کی وجہ سے اصل کتاب اور مسودہ دونوں ہی تلف ہو گئے، ورنہ اس سے پہلے یہ کتاب خانقاہ رحمانی میں موجود تھی اور انھوں نے اس کی قوی شہادت یہ فراہم کی ہے الجامعہ کی ۱۹۲۸ء کی فائل سے اس کتاب کی چند قسطیں جو شائع ہوئی تھیں، الجامعہ میں اس کتاب کی پہلی قسط کے تعارف میں لکھا گیا ہے :

حضرت قدس سرہ ابتدا میں خود اپنے قلم سے استفتاء کا جواب عنایت فرماتے تھے اوراس کوایک کتاب میں کبھی اپنے قلم سے نقل فرمادیتے تھےاور کبھی کسی کونقل کردینے کا ارشادفرماتے تھے، وہ کتاب المسئلۃ محفوظ ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کو باقساط الجامعہ میں شائع کر کے ارادت مندوں تک پہنچادوں ، آج اس کی پہلی قسط حاضر خدمت ہے۔(الجامعہ جولائی ۱۹۲۸ء)

یہ کتاب اگرمحفوظ رہتی توحضرت مونگیری کی فقاہت کا شاندارنمونہ ہوتی؛ کیوں کہ جوتین قسطوں میں حضرت مونگیری کے فتاوی سامنے آئے ہیں ، ان سے حضرت مونگیری کی زمانہ سناشی ، حالات کی رعایت ،فتاویٰ میں یسر وسہولت کا پہلواور کتب فقہ پر گہری نظرکی نشاندہی بخوبی ہوتی ہے۔

حضرت مونگیری ۱۳۲۰ھ کے آخر میں خانقاہ رحمانی تشریف لائے تھےاوراس کتاب المسئلۃ کےایک فتویٰ کے آخر میں ۱۲۹۹ھ کی تصریح ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ کانپوراور علی گڑھ کے تدریس کے دوران ہی اس کتاب کی ابتدا ہوئی تھی اور پھر مونگیر کی اقامت کے بعدتک استفتا کے جوابات اس میں نقل ہوتے رہے۔

حضرت مونگیری کےفقہی امتیازات

حضرت مونگیریؒ نے فقہ کی تحصیل نہایت محنت سے کی تھی اور یہی وجہ ہے کہ فقہ میں آپ کا رُسوخ مسلم اورنگاہ نہایت گہری ہے،اگرآپ اپنی پوری توجہ فقہ پر لگاتے ، یادرس وتدریس میں اپنی عمرکھپادیتے تو ایک نامور مدرس، فقیہ اورمصنف کی حیثیت سے ہمارے سامنے ہوتے ؛لیکن ملتِ اسلامیہ پرانیسویں صدی میں پے درپے نازل ہونے والی بلاؤں اور آفتوں کو دیکھتے ہوئے آپ نے کتبِ فقہ کی تصنیف کے بجائےفقہی اداروں کا قیام مناسب سمجھا،تدریس کی جگہ مدرس سازی کا ادارہ قائم کرنا اورتاریخ نویسی کی جگہ تاریخ سازی کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا کہ مردان حر کا طریقہ یہی رہا ہے کہ مشکلات اورمصائب سے وہ بھاگتے نہیں ؛ بلکہ ان ہی حالات میں ان کے جوہر، استعداد کار اورصلاحیتیں نکھر کرسامنے آتی ہیں:''رکتی ہےمیری طبع تو ہوتی ہے رواں اور''۔

ملت کے لئے کارشیشہ وآہن کا نازک کام کرنا کوئی آسان کام نہیں، یہ پارٹ ٹائم کام نہیں، پوری زندگی کا سودا ہے، یاتوآپ دنیا کے دیگر مشاغل اختیار کرسکتے ہیں یا پھرملت کا کام کرسکتے ہیں،ایسا ہونا بہت مشکل یاتقریباً ناممکن ہے کہ آپ چاہیں کہ آپ تاریخ سازی بھی کریں اوراپنی دلچسپیوں سے بھی دستبردار نہ ہوں۔

اس کے باوجودحضرت مونگیری نے جوکچھ لکھاہے،وہ اگرچہ ان کی ہمالیائی شخصیت کے مقابلہ میں بہت کم بلکہ نہ کے برابر ہے؛لیکن اس سے آپ کےفقہی امتیازات جوکچھ نکھر کرسامنے آتے ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

فقہی خصوصیات

مسائل میں غور وفکر

حضرت مونگیری فقہی عبارتوں کو جوں کی توں مان لینے کے قائل نہ تھے، بلکہ اس میں غور فرماتے تھے اور کس قول سے کیالازم آتا ہے اور اُمت کے حق میں وہ کتنا مفید ہے؟ اس پر غور فرما کر اس کو اختیار کرتے تھے، اس کے کئی نمونے ہمیں آپ کی کتاب احکام التراویح میں ملتے ہیں۔

کتبِ فقہ میں تراویح کی جماعت کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ پورے شہر میں اگر ایک مسجد میں بھی ہوگئی تو باقی سارے شہر سے یہ سنت اُتر جائے گی، بعض کتب فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر شہر کی مساجد میں سے ہر ایک میں کچھ لوگ پڑھ لیں تو سنت ادا ہوجائے گی اور چھوڑنے والے بھی گنہگار نہیں ہوں گے اور بعض کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر ہر ایک محلہ کے بعض اشخاص تراویح پڑھ لیں تو باقی گنہ گار نہیں ہوں گے، اس پر حضرت مونگیریؒ فرماتے ہیں :

> طحطاوی میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور رد المحتار میں دوسرے قول کو اور یہی مناسب معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اگر پہلے قول کو ترجیح دی جائے تو احتمال قوی ہے کہ اکثر اہل شہر جماعت تراویح کی نسبت بہت سست اور کاہل ہوجائیں گے اور اس شعار اسلام کا ظہور بہت کم ہوجائے گا اور اگر تیسرے قول کو اختیار کیا جائے تو بے فائدہ تفریق جماعت ہے اور اس شعار کی شوکت میں کمی کرنا ہے؛ کیوں کہ تھوڑے تھوڑے آدمی ہر ایک مسجد میں نظر آئیں گے خصوصاً اس زمانہ میں کہ نمازیوں کی قلت اور مسجدوں کی کثرت ہے، بہر حال دوسرا قول اوسط درجے میں ہے اور خیر الامور اوسطہا کا مصداق ہے۔(۱)

ایک مسئلہ آپ نے فتاویٰ مجمع البرکات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کو پنکھا جھل رہا ہے اور وہ اس کے پنکھا جھلنے سے راضی ہے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، اس قول پر آپ فرماتے ہیں :

> نماز ٹوٹ جانے کی کوئی صورت میرے ذہن میں نہیں آتی؛ البتہ مکروہ ہونا قرین قیاس ہے؛ کیوں کہ حضور خداوندی میں صورت اظہار شان بھی بے ادبی ہے۔(۲)

---

(۱) احکام التراویح،ص:۱۸۔ (۲) احکام التراویح،ص:۳۴۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کتاب میں کوئی بات مطلقاً لکھی ہوتی ہے؛ لیکن دوسری کتابوں میں اس میں کچھ تقیید ہوتی ہے، اگر کسی کی نگاہ وسیع نہیں ہے تو محض ایک دو کتاب پر بھروسہ کی وجہ سے خواہ وہ کتابیں کتنی ہی معتبر ہوں، غلطی میں پڑسکتا ہے، فقہ پر گہری نگاہ کی وجہ سے وہ قیودات آپ کی نگاہ میں ہوتی تھی اور تحریروں میں ہمیشہ اس کا التزام کرتے تھے کہ اگر فقہ کی کسی کتاب میں کوئی عبارت مطلق ہے اور دوسی کتابوں میں مقید ہے تو اس کا ذکر کیا جائے، تعیین سورت کی بحث میں آپ لکھتے ہیں :

> اگر چہ ہدایہ، وقایہ اور درمختار وغیرہ میں مطلقاً تعیین سورت کو مکروہ لکھا ہے، مگر ردالمحتار اور فتح القدیر وغیرہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت دوصورت میں ہوگی، یا تو سورت معینہ کا پڑھنا واجب سمجھے یا اس امر کا خطرہ ہو کہ شخص جاہل اسی صورت کا پڑھنا واجب سمجھ لے گا، دوسری صورت اسی وقت ہوگی کہ امام بآواز بلند پڑھے۔(۱)

اسی طرح ہندوستان کے بعض جلیل القدر علماء کو اصرار تھا کہ بغیر قوت نافذہ کے امیر کیسا اور امارت کیسی؟ اس پر بھی آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حدیث سے اپنی گہری واقفیت، فقہ پر گہری نظر اور حسن استنباط کا ہے :

> میں سمجھتا ہوں، جس نے کلام مجید کے احکام اور اسلام کے ابتدائی دور حتی کے عہد خلافت صدیقی تک کے واقعات کو بغور پڑھا ہے وہ یقیناً یہ کہے گا کہ یہ چیزیں ہرگز امارت اور ولایت کے لئے بمنزلہ لازم ماہیت نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ خود عہد رسالت میں بعض بعض صوبوں میں ولاۃ مقرر ہو کر جاتے تھے، مگر ان کے حیطہ اقتدار میں کوئی مادی طاقت باضابطہ پولس اور فوج نہیں ہوتی تھی، پھر عہد صدیقی میں بھی باضابطہ اس کا نظم نہ تھا، بلکہ ان چیزوں کا باضابطہ نظم خلافت فاروقی سے شروع ہوا، پس اگر مادی طاقت کسی حد تک بھی لازم ماہیت قرار دی جائے تو یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوگا۔(۲)

اسی طرح فتاویٰ قاضی خان کی ایک عبارت سے امیر کے لئے قوت نافذہ کی بظاہر تائید ہوتی ہے؛ لیکن آپ نے اس کی تحقیق کر کے بتایا کہ قاضی خان کا مقصد وہ نہیں ہے جو امیر کے لئے قوت نافذہ کی شرط والے کہتے ہیں؛ بلکہ اس کی عبارت کا مطلب دوسرا ہے جو عبارت میں صحیح طور پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے اور پھر اس کی تشریح کر کے بتایا کہ اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے تو یہ عبارت خود آپس میں متضاد ثابت ہوتی ہے :

---

(۱) احکام التراویح، ص:۳۵۔ (۲) مسلمان ایک امت ایک جماعت، ص:۴۳۔

پس اگر قاضی خان کی عبارت کا وہ مطلب نہ ہو جو ہم نے بیان کیا ہے تو خود عبارت قاضی خان کی درست نہیں ہوتی ہے ؛ بلکہ اس میں تہافت پیدا ہوتا ہے ؛ لیکن جو مطلب ہم نے بیان کیا ہے اس مطلب کے لئے سے کوئی تعارض نہیں ہوتا ہے اور شریعت کے کسی اُصول کے خلاف بھی نہیں ہوتا ، پس قاضی خان کی عبارت کو اس مطلب پر حمل کرنا چاہئے اور دھوکا نہ کھانا چاہئے ۔

یہ ذکر کرنے کے بعد اگر قاضی خان کی عبارت کا وہی ظاہری مفہوم مراد لیا جائے تو اس سے کیا کیا مشکلیں پیدا ہوتی ہیں ، فرماتے ہیں :

چوں کہ ان کے اس قول کی تائید نہ نصوص سے ہوتی ہے ؛ بلکہ اسلام کا ابتدائی دور اس کے خلاف شہادت دیتا ہے اور نہ دیگر فقہاء اور متکلمین کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے ، اس لئے یہ قول نہ قابل لحاظ ہے ، نہ قابل افتاء ۔(۱)

اسی طرح خطبہ جمعہ اور عیدین کے سلسلہ میں کتبِ فقہ حنفیہ میں مرقوم ہے کہ اس کا مقصد مصلیوں کی تعلیم اور پند و موعظت ہے جب کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ ذکر کا کوئی کلمہ مثلاً : اللہ اکبر الحمد للہ کہہ دینے سے بھی خطبہ ادا ہو جاتا ہے ، اس تعارض کو دُور کرتے ہوئے حضرت مونگیری لکھتے ہیں :

اب اگر اس ظاہری تعارض کو دُور کرنا منظور ہو تو میرے ذہن ناقص میں اس طرح ہوسکتا ہے کہ خطبے دو ہیں ، ایک جمعہ کا اور ایک عیدین کا ، اور جمعہ کے خطبہ میں دو حالتیں ہیں ، فرضیت اور مسنونیت ، ان میں سے جمعہ کے خطبہ کی جو حالت فرضیت ہے فقط اس کے ادا کے لئے امام صاحب کے نزدیک تعلیم شرط نہیں ہے اور خطبہ عیدین میں شرط ہے ، اسی واسطے صاحب ہدایہ بطور حصر لکھتے ہیں : ''**ما شرعت الا لتعلیمه**'' اور جمعہ کے خطبہ میں بھی حالت مسنونیت ذکر اور تعلیم دونوں کے لئے مشروع ہے ، جیسا کہ کی عینی کی تصریح سے ظاہر ہے ۔(۲)

خطبۂ جمعہ میں پند و موعظت کا وجوب

عام فقہاء احناف اس طرف گئے ہیں کہ خطبہ میں فرض صرف ایک مرتبہ ذکر اللہ سے ادا ہو جاتا ہے اور بقیہ پند و موعظت مسنون ہے ؛ لیکن حضرت مونگیری کا رجحان اس جانب ہے کہ تحمید و تسمیع سے ادائیگی فرض سے یہ لازم

(۱) مسلمان ایک اُمت ایک جماعت : ص : ۴۶ ۔ (۲) اُردو میں جمعہ اور عیدین کا خطبہ ، ص : ۳۹-۴۰ ۔

نہیں آتا کہ خطبہ میں وعظ وتذکیر مسنون ہی ہو؛ بلکہ یہ واجب بھی ہوسکتا ہے بالخصوص جب کہ احناف سنت اور فرض کے درمیان وجوب کا لحاظ رکھتے ہیں اور پھر اس کو حضرت مونگیری نے طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح اور علامہ شامی کی عبارت سے موکد کیا ہے، اور اس کی مزید دلیل بیان فرمائی ہے کہ فقہاء احناف نے کسی عمل پر رسول اللہ ﷺ کی مواظبت کو بھی وجوب کی دلیل بنایا ہے اور خطبہ میں وعظ وتذکیر پر حضور ﷺ کی مواظبت جگ ظاہر ہے۔

چھپکلی میں خون

عام طور پر مانا جاتا ہے کہ چھپکلیوں میں خون یا دوسرے لفظوں میں دم سائل نہیں ہوتا؛ لیکن حضرت مونگیری کی تحقیق یہ ہے کہ بعض چھپکلیوں (شاید چھپکلیوں کی کوئی مخصوص قسم) میں دم سائل ہوتا ہے؛ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں :

> تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعضے چھپکلی میں خون ہوتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا، جس میں خون ہوتا ہے اس کے کنویں میں گرکر مرجانے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا اور جس میں خون نہیں ہے، اس کے مرجانے سے ناپاک نہ ہوگا۔(۱)

حسن استنباط

فقہ اور حدیث پر گہری نظر کے ساتھ آپ استنباط واستخراج مسائل کی صلاحیت سے پورے طور پر متصف تھے، کسی فقہی مسئلہ کی نظیر پر دوسرے مسئلہ کو قیاس کر کے مسئلہ زیر بحث کا استنباط فرماتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ابتدا میں مولانا عبدالحی حسنی کو ایک خط میں فرماتے ہیں کہ ممتحنین سے حلف لیا کریں کہ وہ پوری ایمانداری سے کاپی چیک کریں گے اور نمبر ایمانداری کے ساتھ دیں گے، اور اس میں جانبداری اور تعصب نہیں برتیں گے، اور اس کے لئے آپ نے استدلال کیا ہے حضرت عمرؓ کے واقعہ سے کہ آپ بعض اوقات حدیث رسول ﷺ بیان کرنے والوں سے حلف لیا کرتے تھے۔(۲)

اسی طرح آپ نے سلطان کی جانب سے متعین کئے بغیر موجودہ حالات میں ہندوستان میں مسلمانوں کی جانب سے کسی کو امیر چن لینے پر اس کی امارت کے انعقاد پر اس غزوہ موتہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، جس میں حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے پر صحابہ کرام کے اتفاق رائے سے حضرت خالد بن ولید امیر بن گئے تھے۔(۳)

---

(۱) کتاب المسئلۃ، بحوالہ الجامعہ جولائی ۱۹۲۸ء۔ (۲) تاریخ دارالعلوم ندوۃ العلماء جلد اول۔

(۳) مسلمان ایک اُمت، ایک جماعت، ص:۲۹۔

امیر کے لئے قوت نافذہ کیا لازمی شرط ہے؟ اور کیا اس کے بغیر امارت اور امیر کا انعقاد نہیں ہوسکتا؟ اس پر آپ نے قرآن پاک کی آیت: ''ما ارسلنا من رسول الا لیطاع'' سے نہایت نفیس استدلال فرمایا ہے:

> اللہ پاک فرماتا ہے کہ ''ما ارسلنا من رسول الا لیطاع'' میں نے ہر رسول کو صرف اس مقصد سے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، پس جب مقصد بعثت رسل طاعت ہوئی اور ان کی طاعت نہ کی جائے تو مقصود کے فوت ہونے سے رسول عہدۂ رسالت سے منعزل نہیں ہوتا ہے، اسی طرح ان کے ماتحت ولاۃ بھی منعزل نہیں ہوں گے۔(۱)

ایک سوال کے جواب میں حضرت مونگیری عرس کی جائز شکل کی نشاندہی کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار عرس کی تاریخوں میں تغیر وتبدل کرلینا چاہئے؛ تاکہ اس سے تعیین کی شکل نہ پیدا ہو اور اس پر فقہ کے ایک جزئیہ سے نہایت نفیس استدلال فرمایا ہے، آپ بھی ملاحظہ کیجئے، حضرت مونگیریؒ لکھتے ہیں:

> البتہ بہتر یہ ہے کہ اس تعیین کو کبھی ترک بھی کردیا کریں؛ تاکہ عوام اس تخصیص کو ضروری نہ خیال کریں، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نماز کے لئے سورتوں کا تعین کرلینا اور اس کے سوا اور سورتوں کا اس نماز میں نہ پڑھنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ جن سورتوں کا پڑھنا جس نماز میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، مثلاً: ''سبح اسم'' اور ''قل یا ایہا الکافرون'' اور ''قل ھواللہ'' کا وتر میں پڑھنا ان کا بھی ایسے مقام پر ہمیشہ پڑھنا مکروہ ہے کہ عوام اس کو واجب اور ضروری خیال کرلیں جیسا کہ ردالمحتار اور فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے، پس جب فساد اعتقاد عوام کے خوف سے ان سورتوں کی تخصیص مکروہ ہوئی، جس کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تو اس ثواب رسانی کی تخصیص جو کہ عرس میں ہوتی ہیں، بخوف فساد اعتقاد عوام بطریق اولیٰ مکروہ ہوگی؛ کیوں کہ اس کی تخصیص کا ثبوت نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ہے، نہ صحابہ اور تابعین سے۔(۲)

جمعیۃ وکمیٹی اور جماعت کا فرق

مسلمانوں کے زوال پر آپ کی گہری نگاہ تھی، اور اس کے لئے کی جانے والی تدبیریں اور برپا کی جانے والی تحریکیں بھی آپ کے علم میں تھیں؛ لیکن آپ جانتے تھے کہ اصل مرض کے بجائے صرف علامتوں کا علاج کیا

(۱) مسلمان ایک اُمت ایک جماعت، ص:۴۸۔ (۲) کتاب المسئلۃ، بحوالہ الجامعہ۔

جارہا ہے،اس بارے میں آپ نے جولکھا ہے وہ آپ کے نہایت گہرے مشاہدہ،اصل مرض کی تشخیص اور علماءِ اُمت کی اصل مرض تک نارسائی کی مثال ہے،فرماتے ہیں :

مسلمانان ہند کے اسباب ہلاکت میں جس چیز کوسب سے زیادہ دخل ہے، وہ ان کا منتشر اور پراگندہ ہونا ہے،اورقوی اسلامیہ کا شریعتِ اسلامیہ کے مطابق کسی مرکز پر متفقہ طور پر سے مجتمع نہ ہونا ہے، اگر کبھی اجتماع اور ائتلاف کا خیال پیدا بھی ہوا تو اُصول کے مطابق نہیں جو شریعت اسلامیہ نے بتایا ہے؛ بلکہ انسانی دماغوں کے اختراع کا تتبع کیا گیا، انجمنیں بنیں، اور کمیٹیاں قائم کی گئیں، جمعیتیں بنیں مگر جماعت کا وجود نہ ہوا؛ حالاں کہ ہم جماعت کے التزام کے مکلف ہیں اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے،ہم کواس اجتماع اور ائتلاف کی ضرورت نہیں ہے جوانجمنوں اور کمیٹیوں میں ہوتا ہے؛ بلکہ اس اجتماع اور ائتلاف کی ضرورت ہے جو جماعت سے بنایا جاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ آج تک باوجود ہر قسم کی قربانیوں کے کوئی کام درست نہیں ہوا؛ بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔(۱)

اتحاد کی دعوت اور افتراق سے دُوری

آپ اتحاد اسلامی کے سب سے بڑے علمبردار تھے اوراسی درجے میں انتشار کے مخالف،آپ نے فقہی کتابوں میں بھی ملت اسلامیہ کی پراگندگی اورانتشار کا نوحہ کیا ہے اور مسلمانوں کومتحد ہونے کی تلقین اورانتشار سے بازرہنے کی تنقید کی ہے؛چنانچہ آپ امارت شرعیہ کے خطبہ میں فرماتے ہیں :

میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام پر اندر اور باہر سے حملے ہورہے ہیں،تمام فرق باطلہ اسلام اوراہل اسلام کو تباہ وبرباد کرنے میں شب و روز مشغول ہیں، ایک طرف عیسائی مشنریاں ہیں جو لاکھوں روپیہ عیسائیت کی اشاعت اوراسلام کی بربادی میں پانی کی طرح بہارہی ہیں تو دوسری طرف خود ہندوستان کی دو منظم جماعتیں قادیانی اور آریہ سماجیوں کی ہیں جو ہر ممکن طریقہ سے بیدریغ جان ومال سے اسلام کی سچی تعلیمات کو مٹانے کے درپے ہیں، اور شب وروز قادیانت اور آریت کی اشاعت میں منہمک ہیں اور ابطال حق اور فساد فی الارض کے لئے ہر قسم کی قربانی جانی ومالی کررہے ہیں،

---

(۱) مسلمان ایک اُمت ایک جماعت،ص:۹۔

مگر ہمارے علماء اہل سنت والجماعت ابھی تک آپس میں معمولی فروعی مسائل کے رد وقدح میں منہمک ہیں اور فروع کو اُصول کا مرتبہ قرار دے کر آپس میں جنگ وجدال کر رہے ہیں، جس سے بجائے اصلاح کے اور فساد پیدا ہوتا ہے اور تمام قوت جو اسلام کی حفاظت اور قوم کی فلاح میں صرف ہوتی، بیکار ضائع جارہی ہے۔(۱)

ملت کے درد اور غم کی ٹیس اتنی زیادہ ہے کہ ذرا سی ٹھیس لگنے سے یہ آبگینہ پھوٹ پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہی کتابوں تک میں آپ ملت میں انتشار اور تفرقہ پر بات کی ہے؛ چنانچہ آپ احکام التراویح اولاً یہ مسئلہ لکھتے ہیں اگر مقتدیوں پر ایک ختم بھی دشوار ہو تو امام ہر رکعت میں تین تین آیت چھوٹی اور ایک آیت بڑی پڑھ کر تراویح تمام کرے، اس کے ضمن میں آپ لکھتے ہیں :

یہاں سے معلوم ہوا کہ کثرت جماعت کا لحاظ رکھنا اور مقتدیوں کی رعایت کرنا بہت ضروری ہے؛ چوں کہ شریعت محمدیہ میں اتفاق باہمی کی نہایت تاکید ہے، اس وجہ سے ہر ایک امر میں اس کا لحاظ رہتا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی ذرا ذرا سی بات میں نزاع کر کے نفاق باہمی پیدا کر لیتے ہیں، اتفاق عجب نعمت ہے، اللہ ہمارے بھائی مسلمانوں کو نصیب کرے۔(۲)

بے تعصبی

اللہ نے آپ کو قلب سلیم عطا فرمایا تھا، اور فقہ وحدیث کی تحصیل آپ نے تنقیح مطالب اور تحقیق مسائل کے ساتھ فرمایا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اہل حدیث اور احناف کے اختلاف کی حقیقت آپ پر واضح تھی کہ یہ چند مسائل کا اختلاف ہے جس میں وہ دیگر ائمہ کی پیروی کرتے ہیں اور چوں کہ ائمہ کرام باہم ایک خاندان کی طرح ہیں؛ لہٰذا ان کے ماننے والے بھی ایک دوسرے کے بھائی ہیں، مشہور اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

حدیث پہلے مولانا لطف اللہ صاحب سے اسی طرح ایک دو ورق کر کے پڑھی، جس طرح ہدایہ وغیرہ، اس کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوری محدث مرحوم سے ایک سال میں پوری صحاح ستہ پڑھی، اس کا نتیجہ محقق طور پر ذہن میں یہ آیا کہ اہل حدیث اور اہل فقہ دونوں برادر ہیں اور اختلاف دونوں میں ایسا ہی ہے، جیسا کہ صحابہ کرام میں ہوا، مجتہدین عظام میں ہوا، وقس علی ہذا۔(۳)

(۱) مسلمان ایک اُمت ایک جماعت، ص:۷۔ (۲) احکام التراویح، ص:۲۴-۲۵۔ (۳) کمالات محمدیہ، ص:۱۰۔

یسر وسہولت

حضرت مونگیری کی سیرت سوانح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مونگیری عامۃ المسلمین کی فلاح اور سہولت و یسر کا پہلو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے، فتاویٰ میں بھی آپ کا یہی طریقہ ہے کہ عامۃ المسلمین کے لئے ممکن حد تک آسانی پیدا کی جائے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہوئے کہ آپ نے سیدوں کے لئے زکوٰۃ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؛ چنانچہ آپ ایک مکتوب میں اپنے مسترشد کو لکھتے ہیں :

> مسائل جو تم نے دریافت کئے تھے، ان کا جواب مولوی ابوالحسن نے لکھ دیا ہے، ٹھیک ہے، صرف اس قدر کہنا ہے کہ سید کو زکوٰۃ دینے میں امام صاحب سے دو روایتیں ہیں، ایک میں عدم جواز ہے اور فقہاء اس کو زیادہ معتبر کہتے ہیں، دوسرے میں جواز ہے، اس نازک وقت میں جب کہ سیدوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہے، اگر ضرورت عمل کیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے؛ کیوں کہ حاجت کے علاوہ ہندوستان میں اس پر کیوں کر یقین ہوسکتا ہے کہ واقعی یہ سید ہے، اب میں خاص تمہارے لئے یہ کہوں گا کہ احتیاط یہ ہے کہ سید کو زکوٰۃ نہ دو، دوسرے طریقہ سے خدمت کرو۔(۱)

اس جواب میں حضرت مونگیریؒ کی شان فقاہت پوری طرح نمایاں ہے، اُمت کے لئے یسر وسہولت کا خیال بھی ہے، اور ہندوستان میں خود کو سید کہنے کی وبا کی طرف لطیف طرز سے اشارہ کرکے جواز کا نکتہ بھی بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ احتیاط کے پہلو کی بھی نشاندہی فرمادی ہے کہ سید کی دوسرے طریقے سے خدمت کرنی چاہئے، اگر چہ واقعتاً اس کا تحقیق نہ ہو کہ یہ سید ہے؛ کیوں کہ حقیقت کے ساتھ ساتھ نسبت کا بھی اپنا احترام ہے، (چاہے نسبت کی بابت پورا اعتماد نہ ہو)۔

حضرت مونگیریؒ نے چند جملوں میں جو بات کہہ دی ہے اس کے لئے رسالے بھی ناکافی ہیں، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ نے ایک خاص مسئلہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ ہندوستان میں مادی منفعت یا پھر شہرت وناموری کے لئے خود کو سید کہنے کا رواج کافی قدیم سے رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحیح النسب سیدوں کی تعداد محقق طور پر اتنی نہیں ہے جتنی بتائی جاتی ہے؛ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ کسی کے آباء واجداد نے اس دور میں بادشاہوں یا نوابوں سے کچھ ملنے کی خاطر خود کو سید مشتہر کیا ہو؛ لیکن اب جب کہ ریاست ہاتھ سے نکل چکی ہے اور سید حضرات پریشان ہیں تو ان کے لئے زکوٰۃ کی رقم کے جواز میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ واقعتاً سید ہیں ہی نہیں، صرف مشہور ہیں۔

---

(۱) مکاتیب محمدیہ، ص:۸۶۔

مفقود الخبر کی بیوی کیلئے فقہ مالکی پر عمل کی اجازت

حضرت مونگیریؒ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ اگر کسی کا شوہر غائب ہوجائے تو اس کی بیوی کتنے عرصہ انتظار کرے، اس مسئلہ میں حضرت مونگیریؒ نے بلاتوقف اور قیل وقال کے سائل کو فقہ مالکی پر عمل کرنے کی اجازت دی :

> دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک اس مدت تک بیٹھی رہے کہ اس مفقود کے ہم عمر لوگ اس شہر میں مرجائیں، اور بعض نے کہا کہ ہے کہ اس مدت تک بیٹھے کہ شوہر مفقود کی عمر نوے برس کی ہوجائے اور مالکیہ کے نزدیک چار برس تک بیٹھی رہے، بعد چار برس کے چار مہینے دس روز موت کی عدت بیٹھے، پھر بر بناء قضا قاضی اسے دوسرا نکاح کرنے کا اختیار ہے، اگر کسی حنفیہ کو ضرورت جلد نکاح کی پڑے تو مالکی عالم کے پاس جا کر فتویٰ لے لے، اور اگر مالکی عالم وہاں نہ ہو تو حنفی کو بھی بہ ضرورت امام مالک کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے۔(۱)

پھر اس کے بعد حضرت مونگیری نے اس کو علامہ شامی اور دیگر کے حوالوں سے مزین فرمایا ہے کہ مفقود الخبر کے معاملے میں فقہ مالکی پر عمل کیا جاسکتا ہے اور ضرورت کے موقع پر دیگر مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے۔

آج بھلے یہ فتویٰ عام لگ رہا ہو؛ لیکن جس زمانہ میں یہ فتویٰ دیا گیا تھا، اس وقت یہ انقلابی فتویٰ تھا، لوگ کتبِ فقہ سے ایک آدھ انچ بھی ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے، اور یہ بات بھی نہایت قابل لحاظ ہے کہ حضرت تھانویؒ کی الحیلۃ الناجزۃ ۱۳۵۳ھ میں سامنے آئی ہے، اگر ہم مان لیں کہ تین چار سال پہلے اس پر کام شروع ہوا یا خیال ہوا تو بھی یہ ۱۳۵۰ یا ۱۳۴۹ کی تاریخ بنتی ہے؛ لیکن حضرت مونگیریؒ کا یہ فتویٰ ۱۲۹۹ھ کا ہے، یعنی حضرت تھانوی کے الحیلۃ الناجزۃ سے تقریباً پچاس برس قبل ہی حضرت نے مفقود الخبر کے معاملے میں فقہ مالکی پر عمل کی اجازت اور فتویٰ دیا ہے۔

تکفیر میں احتیاط

کسی نے سوال کیا کہ جو مسلمان ہولی اور دیوالی میں شریک ہوتے ہیں، یا روپے پیسے سے مدد کرتے ہیں تو اس کے دین وایمان کا کیا حکم ہے، کوئی عام مفتی ہوتا تو تکفیر تک پہنچ جاتا؛ لیکن اللہ نے چوں کہ حضرت کو تفقہ فی الدین کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا؛ لہٰذا آپ جواب میں لکھتے ہیں :

> مسلمان شریک ہونے والا اگر محض بطور لہو ولعب کے شریک ہوتا ہے یا روپیہ پیسہ دیتا ہے تو اس کا ایمان نہیں جائے گا؛ البتہ گنہگار ہوگا اور اگر اس کا شریک ہونا یا اس میں کچھ دینا اس دن کی تعظیم کی غرض سے ہے تو یہ شخص کافر ہوگیا۔(۲)

---

(۱) کتاب المسئلۃ، بحوالہ الجامعۃ۔ (۲) کتاب المسئلۃ، بحوالہ الجامعہ۔

زمانہ کے تقاضوں اور تغیرات پر نگاہ

حضرت مونگیری کو اس کا بڑا اہتمام اور بڑی فکر تھی کہ مفتی زمانہ کے حالات سے واقف ہو، ورنہ اس کا فتویٰ مذاق کا موضوع بن جاتا ہے، یہ بات کتبِ اُصول فقہ میں بھی مختلف تعبیروں میں کہی گئی ہے جیسے کہ مفتی کو اپنے زمانہ کے عرف سے واقف ہونا چاہئے، حضرت مونگیری کو بھی اس کی بڑی تاکید تھی؛ چنانچہ ندوہ کے ایک اجلاس میں آپ نے فرمایا :

> ایک اور دقت ہمارے علماء کی یہ ہے کہ زمانہ کے حالات پر ان کی نظر نہیں، دنیا کے حالات سے اکثر ناواقف، ان کی پیچیدگیوں کو سلجھانا دشوار، جب فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ زمانہ بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں تو ضروری ہوا کہ مفتی زمانہ کی حالت سے بھی واقف ہو اور اس طرح جب تک معاملات سے واقف نہ ہو اور اس کی پیچیدگیوں پر مطلع نہ ہوگا تو کیوں کر صحیح جواب دے گا، یہاں محکمۂ افتاء کی ضرورت دوسرے طور پر ثابت ہوتی ہے کیوں کہ بغیر اس کے یہ مرحلہ طے نہ ہوگا، اور یہ ہماری حالت کے لحاظ سے غیر ممکن ہے، ہمارے علماء کو ادھر توجہ نہیں ہے کہ زمانہ کی حالت اور اس کی موجودہ اشیاء کو دریافت کریں، جب یہ حالت ہے تو انصاف کرنا چاہئے کہ دین کی حیثیت سے اس محکمہ کی ضرورت ہے۔(۱)

اور یہ قیاس یقیناً حق بجانب ہوگا کہ جو شخصیت زمانہ سے واقفیت کی اتنی پرزور داعی ہے وہ خود زمانہ کے اطوار واوضاع اور نشیب وفراز سے پوری واقف تھی، اور خود آپ کی تصنیفات اس بات کی شاہد عدل ہیں کہ آپ جو کچھ لکھتے تھے پوری تحقیق کے بعد لکھتے تھے، اگر کچھ باتیں خود سے معلوم کرنی ممکن نہ ہوں تو دوسروں سے استمداد لیا کرتے تھے، جیسے عیسائیت کے خلاف لکھنے میں مولا بخش صاحب سے آپ کو مدد ملی تھی۔

حق کی وضاحت

حضرت مونگیری سے بڑھ کر اس دور میں اتحاد بین المسلمین کا داعی کوئی نہیں تھا، اور نہ ہی آپس میں انتشار پیدا کرنے والے رسائل بازیوں کا مخالف؛ لیکن اس کے باوجود جب آپ نے محسوس کیا کہ اسلام کے کسی شعار کو ختم کیا جا رہا ہے یا اس کی شوکت میں کمی کی جا رہی ہے تو کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر آپ نے لکھا اور شعار اسلامی کی حمایت کا فریضہ انجام دیا۔

تراویح آٹھ رکعت ہے یا بیس رکعت ہے، اس پر اختلاف قدیم ہے اور بہت سے رسالے لکھے جا چکے ہیں؛

---

(۱) کاروائی جلسہ انتظامی قلمی، ص:۱۱، بحوالہ: تاریخ ندوۃ العلماء:۱/ ۱۳۷۔

لیکن حضرت مونگیری کو جب محسوس ہوا کہ اولاً تو بعض لوگوں نے تراویح کو آٹھ قرار دے کر بقیہ کو مستحب قرار دیا ہے تو مستحب پر آج عمل کون کرتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر بعض لوگوں نے پوری تراویح کے ہی مسنون ہونے سے انکار کر دیا ہے اور اس کو صرف مستحب سمجھا ہے، جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ آخر میں تراویح سے لوگ ہاتھ اُٹھالیں گے بالخصوص عوام الناس اور اس طرح اسلام کا ایک شعار یا تو ختم ہوجائے گا، یا اس کی اہمیت اور شوکت میں نہایت کمی واقع ہوجائے گی، اسی خیال نے ان کو بے چین کیا کہ تراویح کے مسنون ہونے کے اثبات میں ایک رسالہ لکھیں اور ان لوگوں کا رد کریں جو تراویح کو محض مستحب مانتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ''غاية التنقيح'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

> چنانچہ آج کل یہ امر ظہور میں آیا کہ نماز تراویح جسے بارہ سو برس سے تمام اہل سنت والجماعت پڑھتے آتے ہیں اور شرقا اور غربا اس سنت کا رواج رہا، اس زمانہ کے بعض علماء نے یہ چاہا کہ اس کو ترک کرنا چاہئے، اگرچہ انھوں نے اس کے ترک پر فتویٰ نہیں دیا، مگر اس قدر کیا کہ اس کی عظمت اور تاکد عوام کی نگاہوں سے گرا دیا، فقط اتنی بات کہہ کر تراویح ایک امر مستحب ہے کچھ مسنون نہیں اور اس پر ثمرہ اس قدر ہوا کہ بعض جاہلوں نے بیس رکعت چھوڑ کر آٹھ پڑھنا شروع کیں اور وہ آٹھ پڑھنے کا بھی سبب یہ ہے کہ ان کے ذہن میں وہ آٹھ رکعت سنت موکدہ ہیں یہ انھیں معلوم نہیں کہ بعض علماء نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ بالکل بوجھ ہمارے سر سے اُٹھا دیا یعنی فرما دیا کہ جیسے بیس رکعت سنت نہیں ویسا ہی آٹھ بھی سنت نہیں، جب یہ حال میں نے دیکھا تو عزم بالجزم ہوا کہ اس سنت سنیہ کے اثبات میں کوئی رسالہ تحریر کروں مگر عدم تیسر اسباب اور خوف مجادلین مانع ہوتا تھا اور محض سکوت بھی مناسب نہ جانا، جس قدر اسباب بہم پہنچا، اسی پر اکتفا کی، طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے اور ناحق کوش کے لئے کسی قدر بھی وافی نہیں، لہذا یہ رسالہ تحریر کیا اور 'غاية التنقيح في اثبات التراويح' اس کا نام رکھا۔(۱)

اختلافی مسائل میں اعتدال

حضرت مونگیری کو اللہ نے فطرۃ معتدل المزاج پیدا کیا تھا، پھر تعلیم وتربیت سے اور سب سے بڑھ کر اس دور کی گروہ بندی کی فضا میں کسی ایک پارٹی سے منسلک نہ ہونے کی وجہ سے آپ گروہ بندی کا شکار ہونے سے باز رہے

(۱) مقدمہ غاية التنقيح، ص:۲-۳۔

اور بعد میں آپ کوایسا کامل شیخ ملاجن کے یہاں اہل حدیث، بریلوی اورشیعوں تک کی آمد تھی،ان سب اُمور سے کی وجہ سے آپ میں کامل اعتدال پیدا ہو گیااورفتوی ہو یافقہی رسالہ یا عیسائیوں اور قادیانیت کی تردید ہو، کہیں آپ کا قلم جادہ سے نہیں بھٹکتا، نہ کہیں مخالفین کیلئے سب وشتم اورلعن طعن ہے اور کیوں نہ ہو آپ خود اس کے سب سے بڑے داعی تھے مختلف فیہ مسائل میں اعتدال برتا جائے، اپنا مسلک نہ چھوڑا جائے ؛لیکن دوسرے کا بھی احترام کیا جائے، بالخصوص تکفیر اور تفسیق سے گریز کیا جائے، جس سے اسلام اور اہل اسلام کی ہوا اکھڑتی ہے؛ چنانچہ اجلاس سوم کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے حضرت مونگیری فرماتے ہیں :

> مراد یہ نہیں ہے کہ تمام فرقے مذہباً متحد ہوجائیں یہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ اہل اسلام سے وہ فضیحت کن نزاع دُور ہوجائیں، جوغیروں کی نگاہ میں اسلام اور مسلمانوں کو بے وقعت کرتی ہیں اور جوان کی علمی اور اخلاقی ترقی میں حائل ہیں؛اس لئے ضروری ہے کہ اپنے مقصد اعلیٰ کو پورا کرنے کی غرض سے عام اہل اسلام کو دعوت دی جائے، اگر چہ ان میں اختلاف ہو۔(۱)

بعض مسائل میں تفرد

بعض مسائل میں حضرت مونگیریؒ کی رائے جمہور سے الگ تھی اور یہ بات حضرت مونگیری کے ساتھ خاص نہیں ؛ بلکہ ہر صاحب نظر کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنا راستہ الگ بناتا ہے،حضرت مونگیری بھی صاحب نظر تھے، آپ کی بعض آراء اپنے عہد کے علماء سے بعض مسائل میں الگ تھی ؛ لیکن آپ نے کم ظرفوں کی طرح اس کو اُمت میں اتحاد وانتشار کا ذریعہ نہیں بنایا؛ بلکہ اس کو ذاتی رائے کی حد تک محدود رکھا،جس کو آپ نے اپنے علم ونظر کی روشنی میں اختیار کیا تھا؛لیکن کبھی اس کی دعوت عام نہیں دی، کسی نے پوچھا تو اُمت کے یسر وسہولت کا لحاظ کرتے ہوئے بتا دیا اور یہی ایک محقق عالم کی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے علم سے اُمت کو جوڑنے کا کام لیتا ہے، اُمت میں انتشار پیدا نہیں کرتا۔

اس موضوع پر مزید لکھا جاسکتا ہے ؛ لیکن طوالت چوں کہ ممل بھی ہوتی ہے اور مخل بھی، اور اب کسے فرصت ہے کہ طویل تحریر پڑھے، اگر چہ کام کا ہی کیوں نہ ہو، دورِ حاضر کے علمی مذاق پر ڈاکٹر کلیم عاجزؔ مرحوم کا یہ شعر تھوڑے تصرف کے ساتھ پورے طور پر صادق آتا ہے :

ہم نے بے فائدہ چھیڑی غم ایام کی بات
کون ’بیکار‘ یہاں ہے جو ’پڑھے کام کی بات‘

(۱) روداد اجلاس سوم، ص: ۲۴۔

پیکرِ اخلاق حضرت مولانا قاضی محمد قاسم مظفر پوریؒ

خالد سیف اللہ رحمانی

دار العلوم دیو بند سے فراغت کے بعد مجھے دو سال امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں رہنے کا موقع ملا، یہ ۱۹۷۸ء تھا، ۱۹۷۵ء میں جو ایمر جنسی لگی تھی؛ اگر چہ وہ ختم ہو چکی تھی؛ لیکن اس کی خوف ودہشت اب بھی لوگوں کے دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی، اسی ماحول میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس رانچی میں مقرر ہوا، جو اس وقت بہار میں تھا اور اب جھارکھنڈ کی راجدھانی ہے، اجلاس کے انتظام واہتمام میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ امیر شریعت سادس اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ قاضی القضاۃ ونائب امیر شریعت کے مشوروں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی، امارت شرعیہ سے جو وفد اجلاس میں شرکت کے لئے گیا، اس میں اس حقیر کو بھی شامل کرلیا گیا، میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، پٹنہ سے رانچی جانے والی ٹرین میں سوار ہونے کے لئے جب ہم ہوگ اسٹیشن پہنچے تو ایک شخصیت کی طرف کئی لوگ لپکے، میں نے ان کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ مولانا محمد قاسم مظفر پوریؒ ہیں، میں نے بھی علیک سلیک کر کے مصافحہ کیا؛ کیوں کہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کی مجلسوں میں متعدد بار ان کا ذکر خیر سن چکا تھا، وہ ان کے علم کی بھی تعریف کرتے تھے اور ان کے زہد اور شرافت نفس کا بھی ذکر کرتے تھے، اس زمانے میں میں پابندی سے ہفت روزہ ''نقیب'' میں لکھا کرتا تھا، مولانا سے ایک صاحب نے قاضی صاحبؒ کی نسبت سے تعارف کرایا اور میرا نام بھی بتایا، مولانا بہت تپاک اور محبت سے ملے اور فرمایا کہ نقیب میں میں آپ کے مضامین پڑھتا رہتا ہوں، پھر کچھ حوصلہ افزائی، تحسین اور دُعائیہ کلمات کہے۔

یہ میری پہلی ملاقات تھی، جو پٹنہ جنکشن کے پلیٹ فارم پر ہوئی تھی، متوسط قد وقامت، کسی قدر کُھلتا ہوا رنگ، سیاہ داڑھی، سفید لمبا کرتا اور شلوار، سر پر دو پلی ٹوپی اور کاندھے پر ایک رومال، ایک ایک ادا سے سادگی اور کسر نفسی نمایاں، ملنے والے سب ان سے چھوٹے ہی تھے؛ لیکن سبھوں کے ساتھ اکرام کا رویہ، چہرے پر تبسم، گفتگو میں بے تکلفی اور اپنائیت، یہ حقیقت ہے کہ پہلی ملاقات ہی نے مجھے ان کی عقیدت ومحبت کا اسیر بنالیا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا، ملاقاتیں بڑھتی گئیں اور احترام وعقیدت کا جو نقش دل پر ثبت تھا، وہ اور گہرا ہوتا چلا گیا، بعد میں یہ صورت حال ہوگئی کہ یہ تصور ہی نہیں تھا کہ بہار کا سفر ہو اور مولانا سے ملاقات نہ ہو، اکثر تو مولانا خود ہی دارالعلوم سبیل الفلاح کی نسبت سے تشریف لے آتے اور کبھی ایک دو دن قیام بھی فرماتے اور کبھی میں ان کے دولت خانہ پر حاضر ہو جاتا، اخیر کے دنوں میں جب علاج کی سہولت کے نقطۂ نظر سے مظفر پور میں ان کا قیام ہونے لگا، تب بھی میں واپسی کا نظام اسی طرح بناتا کہ چند گھنٹے مظفر پور میں ان کے قیام گاہ پر رک کر پٹنہ کی طرف بڑھتا۔

مولانا کا خاص مزاج مہمانوں کی ضیافت کا ؛ بلکہ مہمانوں کے لئے بچھ جانے کا تھا، کوشش کرتے کہ اچھی ضیافت ہو، ساتھ ہی ساتھ کچھ نہ کچھ ہدیہ بھی ضرور پیش فرماتے، ایک بار میں اپنے گاؤں ''جالے'' جاتے ہوئے پہلے مادھو پور پہنچا، مولانا نے بہت اصرار کیا کہ یہاں رات میں رُک جاؤ، یا کم از کم کھانا کھا کر جاؤ؛ لیکن اس وقت میں کسی وجہ سے رک نہیں سکتا تھا، تو مولانا نے تین چار کلو عمدہ باریک چاول اور اسی وقت مچھلی فروخت کرنے والا آیا تھا، اس سے خرید کر مچھلی کی اچھی خاصی مقدار اور کچھ نقد پیسے عنایت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ یہ پیسے جو آپ دے رہے ہیں، وہ کافی ہیں، چاول اور مچھلی کی ضرورت نہیں ہے، تو فرمایا: آپ تکلف نہ کریں، جب قاضی صاحب (حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) تشریف لاتے تھے تو ان کو بھی ہم لوگ اسی طرح پیش کیا کرتے تھے، مولانا سے آخری ملاقات حیدرآباد واپس ہوتے ہوئے مظفر پور میں ان کے دولت خانہ پر ہوئی، اس وقت میری اہلیہ بھی ساتھ تھیں، اب کی بار بھی انھوں نے کچھ پیسے عنایت فرمائے اور کچھ پیسے اپنی اہلیہ کے واسطہ سے میری اہلیہ کو دلوایا، مولانا کا ایک خاص مزاج یہ تھا کہ وہ نصح وموعظت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، خود تو اس پر عمل کرتے ہی تھے، ہم جیسے چھوٹوں سے بھی کراتے تھے؛ چنانچہ میرے ہزار منع کرنے کے باوجود مجھے ہاتھ پکڑ کر قریب کی مسجد میں لے گئے، اعلان کرا کر لوگوں کو جمع کرایا اور مجھ سے بات کرائی۔

میرے آبائی گاؤں جالے، (ضلع دربھنگہ) میں ایک زمانہ میں دیوبندی بریلوی جھگڑا بہت بڑھ گیا تھا، عم محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے اسفار ملک کے مختلف علاقوں میں کثرت سے ہوتے تھے، اور اپنے گاؤں میں آنے اور قیام کرنے کا موقع بہت کم مل پاتا تھا، اس صورت حال کی اصلاح کے لئے مجھے یہ بات بہتر محسوس ہوئی کہ ایک دینی درسگاہ قائم ہو جائے، عم محترم نے بھی اسے پسند فرمایا؛ چنانچہ دارالعلوم سبیل الفلاح کے نام سے اس کا قیام عمل میں آیا، علاقہ کے علماء میں سب سے زیادہ جس شخصیت نے اس کی تائید کی اور سراہا، وہ حضرت مولانا کی ذات تھی، ہم نے دو استاذ کو گجرات سے تربیت دلوا کر نورانی قاعدہ کی تعلیم شروع کروائی تھی، انھوں نے اس کو بہت پسند کیا، اپنے خاندان کے بچوں کو داخل کرایا، دوسرے متعلقین کو بھی اس کا مشورہ دیا، میری عدم موجودگی میں بھی

موقع بہ موقع تشریف لاتے، دوتین دن قیام فرماتے، اگر جالے سے گزرتے تو مدرسہ ضرور پہنچتے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی وفات کے بعد میں نے ان سے اس ادارہ کی سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی، اور انھوں نے قبول فرمایا، مدرسہ میں کوئی چھوٹا پروگرام ہو یا بڑا، ضرور تشریف لاتے اور خطاب بھی فرماتے۔

سبیل الفلاح کا یہ تعلق حیدرآباد تک پہنچا، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے قیام کے بعد وہ متعدد بار یہاں تشریف لائے، کئی کئی دنوں یہاں رہے، تعلیمی جائزہ لیا، طلبہ کے مقالات دیکھے، جب وہ تشریف لاتے تو قضاء کا تربیتی کیمپ بھی منعقد کیا جاتا، اس سے ان کو مزید مسرت ہوتی، ایک بار تشریف لائے تو برادران وطن میں تربیت کا کیمپ چل رہا تھا، یہ اس وقت شاید ان کے لئے ایک نئی چیز تھی؛ اس لئے بہت متأثر ہوئے، شروع سے اخیر تک ہر نشست میں بیٹھے اور اپنی ڈائری میں معلومات کو نوٹ کرتے رہے۔

میں طلبہ کو مولانا کے ساتھ لگا دیتا کہ آپ لوگوں کو مقالہ کے لئے جو عنوان دیا گیا ہے، اس کے بارے میں مولانا سے استفادہ کریں، مولانا اس میں بہت دلچسپی لیتے اور رات میں دیر تک طلبہ کے لائبریری میں مشغولِ مطالعہ رہنے پر بہت مسرت کا اظہار فرماتے؛ حالاں کہ اس وقت سہولتوں کے لحاظ سے معہد میں بڑی دشواریاں تھیں؛ لیکن غالباً میری حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا کہ اگر یہیں مجھے ایک کمرہ دے دو تو میں یہیں قیام کرلوں، ظاہر ہے کہ بہار میں ان کی متنوع مشغولیات اور مرجعیت کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں تھی؛ تاہم میں نے ایک بار درخواست کی کہ اگر محرم الحرام کے بعد تین چار ماہ یہاں آپ کا قیام ہو جائے، طلبہ قضاء کی تربیت بھی حاصل کرلیں اور ان کی علمی، اخلاقی تربیت بھی ہو جائے تو ہم لوگوں پر بڑا اکرم ہوگا، مولانا نے ہاں تو فرما دیا؛ لیکن بہار ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا تھا؛ اس لئے اس پر عمل نہیں ہو پایا، مولانا کے دل میں ہمیشہ اصلاح کا جذبہ موجزن رہتا تھا، جہاں بھی جاتے اور کوئی موقع مل جاتا تو ضرور کچھ اصلاحی بات فرما دیتے، اس میں بڑے اور چھوٹے مجمع کی کوئی تفریق نہیں تھی، ہزاروں کے مجمع میں جس توجہ سے اپنی بات فرماتے، اسی قدر بلکہ بعض دفعہ اس سے بھی بڑھ کر چھوٹے مجمع سے خطاب کرتے، شہر کے پُررونق جلسوں سے زیادہ توجہ دیہاتوں کے چھوٹے موٹے جلسوں پر دیتے، راستہ سے گزرتے ہوئے اگر نماز کا وقت ہو گیا اور کسی مسجد میں پہنچ گئے تو لوگوں کے تقاضہ کے بغیر خود کھڑے ہو جاتے اور پانچ دس منٹ یا تو اصلاحی گفتگو کرتے یا کچھ شرعی مسائل کی رہنمائی کر دیتے، بہت ہی سادہ عام فہم زبان میں خطاب کرتے، مولانا کے گاؤں سے قریب ہی ایک آبادی میں پروگرام تھا، مولانا اس پروگرام کی صدارت فرما رہے تھے، میں بھی مدعو تھا، اور ہمارے ایک بزرگ دوست جن کو اللہ تعالیٰ نے فصیح وبلیغ تعبیر اور ابوالکلامی لہجے میں تقریر کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، ان کا بھی خطاب تھا، میزبان سے میرے بارے میں کہنے لگے کہ ان سے تفصیلی بیان کراؤ، یہ اصلاحی گفتگو کریں گے، اور فلاں صاحب سے پانچ دس منٹ کہلا لو، ان کی بات یہاں کون سمجھے گا؟

مولانا کا مزاج یہی تھا کہ ایسی بات کہی جائے، جس سے عوام کو فائدہ ہو، خطاب میں ہمیشہ قرآنی آیات اوراحادیث پیش فرماتے، واقعات اور قصے کہانیوں سے عام طور پر احتراز کرتے، ان کے کہنے میں سوز ہوتا، جن چند شخصیتوں کو میں نے دیکھا کہ سیدھی سادی گفتگو کے باوجود سامعین پر ان کی بات کا اثر ہوتا ہے اوران کی نصیحتیں دل پر دستک دیتی ہیں، ان میں مولانا کی شخصیت بھی تھی، یہ مولانا کے اخلاص کی بات ہے کہ وہ مجمع سے مستغنی ہوکر اپنی بات کہتے، میرے گاؤں کے قریب ایک بڑا مدرسہ ہے، جہاں دوتین دنوں کا جلسہ ہوتا ہے، میلے اور بازار کی کیفیت ہوجاتی ہے، لوگ خطباء سے زیادہ اہمیت کے ساتھ شعراء کو سنتے ہیں اور رات کے اخیر میں لطیفہ گومقررین اپنا فن دکھاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ سنجیدہ گفتگو کی کوئی قدرافزائی نہیں ہوتی، میں نے دیکھا کہ علاقے کے بزرگ عالم دین کی حیثیت سے مولانا مدعو ہیں، مولانا نے بڑی مفید باتیں پوری دل سوزی کے ساتھ کہیں، مگر وہاں تو حاضرین کو نعت خوانوں اور لطیفہ گومقررین کا انتظار تھا، اس ماحول میں سنجیدہ گفتگو کا کیا اثر ہوسکتا تھا؛ چنانچہ مولانا کی پوری تقریر شوروغل میں چلی گئی اور مولانا نے پورے تحمل کے ساتھ اپنی بات پوری کی، میں نے پہلے ہی سے منتظمین سے کہہ دیا تھا کہ میں ایسے ماحول میں گفتگو نہیں کرسکتا؛ چنانچہ انھوں نے خصوصی انتظام کیا، خود کھڑے ہوکر لوگوں کو بٹھایا، میرا خطاب بھی ایک ایسے موضوع پر تھا، جو اس وقت پورے ملک میں زیر بحث تھا؛ اس لئے کسی طرح لوگوں نے خاموش ہوکر سنا، میرا خطاب ختم ہونے کے بعد میں جلدی نکلنا چاہتا تھا؛ لیکن میزبان کا پاسِ خاطر ملحوظ تھا؛ اس لئے تھوڑی دیر رُکا رہا، آخر میں نے اجازت لی، جلسہ گاہ سے باہر نکلنے کے بعد اپنے رفقاء سے دو باتوں پر افسوس کا اظہار کیا، ایک یہ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اتنی مفید باتیں کہیں؛ لیکن ان پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی، دوسرے یہ کہ میں صرف اپنی بات سنا کر نکل گیا، یہ اخلاق کے خلاف ہے، کہیں منتظمین نے اس کا برا نہ مانا ہو، ساتھیوں نے کہا: ایسا نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی چاہتے تھے کہ آپ یہاں سے جلد چلے جائیں؛ کیوں کہ آپ کے لحاظ میں وہ شعراء کو نہیں بلا پا رہے تھے، اس سے مولانا کی بے نفسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا کو نوجوانوں کی تربیت کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا، وہ ان کی ہمہ جہت تربیت فرماتے تھے، علمی جہت سے بھی، فکری جہت سے بھی اور اخلاقی اور عملی جہت سے بھی، مجھے اس کا اندازہ مولانا کے خصوصی تربیت یافتہ ان فضلاء سے ہوا، جن کو آپ نے بعد میں راقم الحروف کے پاس بھیجا، ان میں چند فضلاء خاص طور پر قابل ذکر ہیں: عزیز مکرم مولانا ظفر عالم ندوی سلمہ، جو اس حقیر کے سبیل السلام میں تدریس کے زمانہ میں آئے اور اِس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ اور وہاں کے دارالافتاء کے اہم رفیق ہیں، وہ ہمیشہ مولانا کی شان میں رطب اللسان رہتے تھے، کسی مرید کی زبان سے اپنے پیر کی تعریف کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی، جو ایک شاگرد کی اپنے استاذ کے حق میں تعریف

سے ہوتی ہے؛ کیوں کہ مرید کو تعلیم یہی دی جاتی ہے کہ وہ اپنے شیخ کو سب سے بہتر سمجھے؛ لیکن شاگرد اپنے استاذ کے درس ہی کو نہیں اس کی زندگی کو بھی تنقیدی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان کی تربیت کی ایک بہتر مثال عزیز گرامی مولانا رحمت اللہ ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ (مقیم قطر) ہیں، جن کے قلم سے عربی اور اُردو زبانوں میں کئی اہم کتابیں آچکی ہیں، اور اہل علم کے درمیان ان کو پذیرائی حاصل ہوئی ہے، مولانا نے اپنے ایک اور برادرزادہ مولوی محمد نعمت اللہ قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ کا معہد میں داخلہ کرایا، وہ کئی سال سفر وحضر اور مدرسہ اور گھر میں میرے ساتھ رہے، ماشاء اللہ ان میں صلاحیت بھی ہے اور صالحیت بھی، وہ اِس وقت جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، یہ بھی مولانا ہی کے تربیت یافتہ اور پرداختہ ہیں، مولانا کے بہت سے تلامذہ میں ایک عزیزی مولوی مجاہد الاسلام قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ ہیں، جن کا مولانا نے معہد میں داخل کرایا تھا، وہ اس وقت مدرسہ رحمانیہ سوپول (دربھنگہ) کے مقبول اور کامیاب اساتذہ میں ہیں، اس کے علاوہ کتنے ہی تلامذہ ہیں، جنھوں نے مولانا سے استفادہ کیا، آج وہ مختلف صوبوں اور شہروں میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور مولانا کی تربیت کا نقش ان پر قائم ہے، مولانا کی تربیت کا رنگ مولانا کے برادرعزیز اور اس حقیر کے رفیق حافظ محمد ناظم صاحب زیدہ مجدہ اور مولانا کے صاحبزادہ مولانا عبداللہ مبارک سلمہ اللہ کے اندر بھی نمایاں ہے، مولانا عبداللہ مبارک سلمہ پر صلاح کا غلبہ اور اپنے نام کا اثر ہے، اس کے ساتھ ساتھ علمی ذوق بھی ہے، کئی کتابیں ان کے قلم سے ہیں، ان کی اور ان کے والد ماجدؒ کی خواہش پر میں نے ان میں سے بعض پر تقریظ بھی لکھی ہے۔

مولاناؒ نے مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں غالباً متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اور اس زمانہ کے مقبول اساتذہ حضرت مولانا عبدالجبار مونگیریؒ، حضرت مولانا مقبول احمد خانؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا ریاض احمد چمپارنیؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم دربھنگویؒ، حضرت مولانا محی الدین سمستی پوریؒ اور حضرت مولانا عبدالرحیم سیدھولویؒ وغیرہ سے کسب فیض کیا، منتہی کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ وغیرہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا، مولانا کا شمار بہت ہی ممتاز طلبہ میں تھا، پابندی کا یہ حال تھا کہ صحاحِ ستہ میں سے بعض کتابوں میں صد فیصد حاضری رہی، اور بخاری شریف کے درس میں سال بھر میں صرف ایک دن غیر حاضری کی نوبت آئی، امتحان سالانہ میں آپ نے اول پوزیشن حاصل کی، صلاحیت اور صالحیت کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے محبوب رہے، فراغت کے بعد ۱۹۵۹ء میں مدرسہ رحمانیہ سوپول میں بہ حیثیت مدرس تقرر ہوا، اور شہر کی رونق سے دور اسی قریہ میں ۴۶ رسال تدریسی فرائض انجام دیئے، آپ بانی مدرسہ حضرت مولانا محمد عثمان

صاحبؒ کے بے حد معتمد تھے اور ان کے ساتھ معاون قاضی بھی مقرر ہوئے، مولانا عثمان صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ مستقل قاضی بنائے گئے، آپ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ اور موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی کے معتمد اور محبوب تھے، مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے بعد وہ عملاً امارت شرعیہ کے قاضی القضاۃ تھے اور مرافعہ کے مقدمات ان ہی سے متعلق ہوتے تھے۔

ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ سے تھا، وہ ان کے عشاق میں سے تھے، جب تک مولانا پرتاپ گڑھی زندہ رہے، کثرت سے ان کی خانقاہ میں جاتے تھے، احسان وسلوک کے پہلو سے ماسٹر محمد قاسم صاحب سوپولویؒ اور مولانا شمس الہدی صاحب (دراجو، ضلع دربھنگہ) سے بھی بڑا تعلق تھا، چلتے پھرتے تسبیح وتلاوت کا معمول تھا، اور زبان کی بڑی حفاظت کرتے تھے، بعض ناگوار مراحل سے بھی گزرنا پڑا؛ لیکن ایسی باتوں کو کبھی زبان پر نہیں لائے۔

مولانا نے اپنے علم اور تفقہ کو تواضع کی چادر میں چھپا رکھا تھا، ان کا علم بہت گہرا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ مسائل میں جزئیات پر انحصار کرنے کے بجائے اُصول پر توجہ دیتے تھے؛ اسی لئے ان کی رائے میں توازن اور اعتدال ہوتا تھا، قضاء سے متعلق مسائل میں ان کے یہاں وسیع النظری تھی، اسباب فسخ کے سلسلہ میں کہتے تھے کہ اس کی بنیاد ''عاشروھن بالمعروف'' پر ہے، جہاں معاشرت بالمعروف ممکن ہو، وہاں رشتۂ نکاح کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی اور جہاں معاشرت بالمعروف کا امکان نہ ہو، وہاں عورت کو جانور کی طرح باندھ کر نہیں رکھا جائے گا، شقاق کی وجہ سے فسخ نکاح کو ضروری قرار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قضاء سے انھیں خاص مناسبت عطا فرمائی تھی، راقم الحروف نے حضرت مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے بعد ان سے بڑھ کر احکامِ قضاء پر نظر رکھنے والا کوئی عالم نہیں دیکھا، وہ اس سلسلہ میں اپنے چھوٹوں کا بھی بڑی خوبصورتی سے امتحان لیتے رہتے تھے، ایک بار معہد میں تربیت قضاء کا کیمپ چل رہا تھا اور اسباب قضاء پر ان کی گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے اچانک مائک میری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ قرائن قاطعہ سے کیا مراد ہے، اور موجودہ دور میں اس کی کیا مثال ہوسکتی ہے؟ اس کو یہ بیان کریں گے، بعض اور مواقع پر بھی مجھے ایسے مشکل تجربات سے گزرنا پڑا۔

عوامی تقریر ہو یا علمی مذاکرہ، مولانا کا ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ وہ اپنی گفتگو کو آیات قرآنی سے مربوط کر کے پیش کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اس کی خواہش کرتے تھے، فکرِ امارت سے ان کا جذباتی رشتہ تھا، امارت وقضاء، اتحاد ملت اور حقوق العباد پر ان کا خطاب بہت ہی چشم کشا ہوتا تھا، اگر تصنیف وتالیف کی طرف ان کی توجہ

مرکوز ہوتی تو کتنی ہی کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آ گئی ہوتیں؛ لیکن انھوں نے دعوت واصلاح اور قضاء وفصل خصومات پر زیادہ توجہ دی، ان کو نزاعات کے حل کرنے کا بڑا ملکہ حاصل تھا، میں نے بھی اپنے خاندانی نزاعات ان کے ذریعہ حل کرائے، ''بینک سے متعلق چند مسائل، رہنمائے قاضی، مکاتیب رحمانی (حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ)'' اور مختلف مختصر اور متوسط کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آ چکی ہیں، مولانا کے حکم سے ان کے بعض رسائل پر تعارفی کلمات لکھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی ہے، کئی کتابیں غیر مطبوعہ شکل میں ہیں، اللہ کرے وہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو، ان کا سب سے اہم کام ''ادلة الحنفية'' ہے، جس کی پہلی جلد پاکستان کے مشہور عالم مولانا محمد بن عبداللہ مسلم بہلویؒ کے قلم سے ہے، مصنف نے اس کتاب میں علامہ شوق نیمویؒ کی ''آثار السنن'' اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ''اعلاء السنن'' اور دوسری کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے حنفیہ کے حدیثی مستدلات کو جمع کیا ہے، اس جلد میں عبادات پر گفتگو کی گئی ہے، معاملات اور دوسرے ابواب پر مصنف کام نہیں کر پائے تھے، مولانا نے اپنے لائق برادر زادہ مولانا رحمت اللہ ندوی کی گزارش پر دو جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا ہے، جس کی پہلی جلد مولانا رحمت اللہ ندوی کی تعلیق کے ساتھ دار القلم دمشق سے چھپ چکی ہے، یہ کتاب حدیث وفقہ سے مولانا کی خصوصی مناسبت پر شاہد ہے۔

اپنی خلوت نشینی اور عزلت گزینی کے باوجود وہ ملت کی بہت سی تنظیموں میں ذمہ دارانہ حیثیت سے شامل تھے، وہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، جھارکھنڈ، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکن اور کتنے ہی مدارس کے صدر اور سرپرست تھے، مولانا ۱۹۳۷ء میں ''مادھو پور پوسٹ انگواں ضلع مظفر پور'' میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد معین الحق مرحوم تھا، بیمار تو وہ ادھر کافی عرصہ سے تھے؛ لیکن کچھ دنوں سے علالت بڑھتی جا رہی تھی، اسی دوران فالج کے بھی شکار ہوئے اور بالآخر علم وفضل کا یہ چراغ ۱۲/محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق یکم ستمبر ۲۰۲۰ء کو ۳/بجے دن میں بجھ گیا اور وہ ۸۳/سال عمر مستعار پانے کے بعد جان آفریں کے حضور پہنچ گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ، وہ اپنے بڑوں کے بھی محبوب تھے، اپنے چھوٹوں کے درمیان بھی ہر دلعزیز تھے اور یقین ہے کہ عالم بقاء میں بھی انھیں خالق کائنات کی محبوبیت حاصل ہوئی ہوگی، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور اُمت میں ان کی مثالیں پیدا فرمادے۔

• • •

فتاویٰ

مولانا شاہد علی قاسمی ☆

خاتون کا گھر کے اندر تجارت

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ :

میں ایک شادی شدہ عورت ہوں، تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، میرے دو لڑکے ہیں، جن کی عمر آٹھ سال اور دس سال ہے، میرے شوہر ملٹی نیشنل کمپنی میں سروس کرتے ہیں، تقریباً اسّی ہزار روپے تنخواہ ہے، زیر غور مسئلہ یہ ہے کہ میں پچھلے دو سال سے آن لائن لیڈیز کپڑے کا بزنس کرتی ہوں، گھر اور بچوں اور شوہر کے کام کاج اندر اور باہر کے کرتے ہوئے اپنے فارغ وقت میں بزنس کرتی ہوں، ان کے ذمہ صرف اپنا جاب ہے، گھر کی صاف ، صفائی، ان کے کپڑے، بچوں کا ٹیوشن سارے حقوق ادا کرتے ہوئے اپنا بزنس کرتی ہوں، چھ ماہ سے وہ مجھے منع کر رہے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں، بزنس بند کرو؛ حالاں کہ یہ آن لائن بزنس ہے، سب کچھ کوریئر سے ہوتا ہے، Pick کرنے بھی دروازے تک کوریئر آتا ہے، مجھے کہیں جانا یا کسی غیر محرم سے بات کرنے کی نوبت نہیں آتی، یہ کام میں اس نیت سے کرتی ہوں کہ دو پیسہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرسکوں، اور اپنی قربانی اور زکوٰۃ وخیرات اپنی مرضی سے کرسکوں، شوہر ناپسندیدگی کی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ شوہر ناراض تو اللہ بھی ناراض اور تمہارا یہ پیسہ ناجائز ہے، شوہر کا حکم واجب الاداہے، اس بنا پر میں اپنے والد کے گھر میں پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بچوں کے ساتھ ہوں، میرے رشتہ داروں نے اور والد نے بھی سمجھایا کہ اس میں

☆ استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

تمہارا اور تمہارے بچوں کا فائدہ ہے، منع کیوں کرتے ہو، تو ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ مجھے پسند نہیں ہے، اور میرا حکم ماننا واجب ہے، تو کیا ایک عورت اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے فارغ اوقات میں اس طرح کی تجارت نہیں کرسکتی؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان کا حکم مانتے ہوئے بزنس بند کردوں؟ انھوں نے آج تک پاکٹ منی کے لئے کچھ نہیں دیا اور میں پاکٹ منی کا احسان بھی کیوں لوں، جب کہ میں ایک پڑھی لکھی عورت شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے روزہ، نماز، ذکر وتلاوت سب کرکے اپنے فارغ اوقات میں یہ کام کرتی ہوں، جب کہ میرے شوہر پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، ان تفصیلات کی روشنی میں حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔(ایک بہن، بنجارہ ہلز)

الجواب وباللہ التوفیق:-

۱- اگر بیوی شرعی دائرہ میں گھر سے باہر ملازمت کرنا چاہے تو جائز ہے؛ لیکن اس کے لئے شوہر کی اجازت ضروری ہے، اگر شوہر اجازت نہ دے تو عورت کا ملازمت کرنا درست نہیں ہے، ہاں، اگر شوہر نفقہ ادا نہ کرتا ہو تو شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی پردہ کی رعایت کے ساتھ ملازمت کرسکتی ہے۔

۲- اگر گھر میں رہ کر کمائی کی صورت ہو، تو بیوی کے لئے کسبِ معاش کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر شوہر اور اولاد کے حقوق متاثر ہورہے ہوں تو پھر شوہر کے منع کرنے پر بیوی کے لئے کام بند کردینا ضروری ہے اور اگر شوہر اور اولاد کے حقوق متاثر نہ ہورہے ہوں تو شوہر اس صورت میں بیوی کو کمائی سے نہیں روک سکتا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ایک فقہی سیمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اس موقع پر چند فیصلے ہوئے جن میں ایک یہ ہے کہ :

> عورت کے اندرون خانہ کسبِ معاش کے لئے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے، بہ شرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔(۱)

ان تفصیلات کی روشنی میں دریافت کردہ صورت کا حکم یہ ہے کہ آپ کے آن لائن کام کرنے کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا نہ پڑ رہا ہو اور شوہر واولاد کے حقوق متاثر نہ ہورہے ہوں تو آپ کا کام کرنا درست ہے، شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہے، اور اگر باہر نکلنا پڑتا ہو یا شوہر واولاد کے حقوق متاثر ہورہے ہوں تو پھر شوہر کی بات ماننا ضروری ہے۔

---

(۱) نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، عنوان: خواتین کی ملازمت۔

والدہ کی حیات میں جائیداد کی تقسیم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ :

میرے نام پر گھر ہے، میرے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، ان میں ایک بیٹی کا انتقال ہوگیا ہے، گھر میں تین بیٹوں کو رہائش کے لئے الگ الگ پورشن دی، بڑے بیٹے کو ایک ہال، پانچ روم کا مکان، دو بیٹوں کو اوپر کے حصہ میں دو پورشن کر کے ایک ایک روم اور ایک ہال دی، چند دن پہلے بڑے بیٹے نے دوسرے بیٹے سے لڑائی جھگڑا کر کے کہا کہ گھر بیچ کر میرے حصہ کا پیسہ دے دو، گھر میں ایک ساتھ رہنا نہیں چاہتا، مجھ کو گھر بس نہیں ہو رہا ہے، چند روز پہلے کی بات ہے میرے تیسرے بیٹے سے بڑے بیٹے بولے کہ میاں میں گھر بیچ دینا چاہ رہا ہوں، مجھ کو بس نہیں ہو رہا ہے، میرے بچوں کی شادیاں ہیں، چھوٹے بیٹے نے کہا کہ ماں کا گھر ہے، آپ نہیں بیچ سکتے اس پر کافی بحث ہوئی، اس سلسلہ میں میں نے اپنے بھائیوں اور داماد سے مشورہ کیا، تو گھر بیچ کر پیسے تقسیم کر دینے کی بات سامنے آئی، اب میرا آپ سے ۲ سوال ہے :

۱- کیا شرعاً بیٹوں کی طرف سے گھر بیچنے کا مطالبہ درست ہے؟ کیا اس سلسلہ میں مجھ پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے؟

۲- اگر لڑکوں کے اختلاف کی وجہ سے گھر بیچ ہی دوں تو اولاد کے درمیان پیسوں کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔(ایک دینی بہن، ٹولی چوکی)

الجواب وباللہ التوفیق:-

۱- جب تک صاحب جائیداد زندہ ہو اس میں اولاد کا حق متعلق نہیں ہوتا ہے، صاحب جائیداد حین حیات اپنی مرضی سے مناسب تصرف کر سکتا ہے، اس لئے آپ کی اولاد میں سے کسی کو حق نہیں ہے کہ آپ پر گھر بیچنے کے لئے دباؤ ڈالیں، آپ نے بالغ لڑکوں کو رہائش کی جو سہولت دی ہے یہ از قبیل حسن سلوک ہے، اس لئے اگر آپ چاہیں تو اپنی زندگی میں مذکورہ مکان نہ بیچیں۔

۲- اگر آپ کو اندیشہ ہے کہ آئندہ اختلاف اور جھگڑا بڑھ سکتا ہے؛ اس لئے زندگی میں تقسیم کر دینا مناسب ہے، تو اس کی شرعاً گنجائش ہے؛ چنانچہ جب مکان فروخت ہو جائے تو آپ اپنی آئندہ کی متوقع ضرورت کو دیکھتے ہوئے اپنے لئے مناسب رقم رکھ لیں، باقی رقم کو عدل وانصاف کے ساتھ اولاد کے درمیان تقسیم کر دیں، اگر آپ

اپنے لئے آٹھوا حصہ رکھنا چاہیں تو یہ بھی مناسب ہے، باقی سات کو تین بیٹے اور ایک بیٹی کے درمیان برابر بھی تقسیم کرسکتی ہیں، اور لڑکی کے مقابلہ لڑکا کو دوگنا بھی دے سکتی ہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمدؒ کی رائے ہے، مثال کے طور پر مکان چار کروڑ کا ہوتو اپنے لئے آٹھوں احصہ پچاس لاکھ رکھ لیں، باقی ساڑھے تین کروڑ کے ساتھ حصہ کر کے بیٹی کو ایک حصہ یعنی پچاس لاکھ اور ہر بیٹا کو دو حصے یعنی ایک کروڑ دے دیں، کہ یہ صورت عدل وانصاف کے تقاضے کے دائرہ میں بھی ہے اور قابل عمل بھی، مرحومہ بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، اگر آپ مرحومہ بیٹی کی اولاد کو اپنے حصہ میں سے کچھ دے دیں تو یہ آپ کی طرف سے حسن سلوک کی بات ہوگی، واللہ اعلم۔

• • •

خبرنامہ
المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

مولانا عبید اختر رحمانی ☆

● گزشتہ سال مارچ میں جب مدارس کے تعلیمی سال کا آخری مہینہ تھا،حکومت نے اچانک لاک ڈاؤن کا اعلان کر دیا،جس کی وجہ سے طلبہ کی بڑی تعداد المعہد العالی الاسلامی میں ہی محصور ہو کر رہ گئی،طلبہ نے پورا رمضان المبارک اور عید و بقرعید معہد میں ہی گزارا،اس دوران طلبہ کی ہر طرح کی کفالت معہد کے ہی ذمہ تھی،جس سے بڑا اچھا تعلیم و تعلم کا ماحول بنا رہا۔

● لاک ڈاؤن کی وجہ سے ۱۲/تا ۲۰/شوال طلبہ کا آن لائن امتحان لیا گیا اور ۲۵/شوال سے طلبہ کی آن لائن تعلیم شروع ہوئی اور کچھ طلبہ جو معہد میں رک گئے تھے،ان کی بالمشافہ تعلیم کا آغاز ہوا۔

● امتحان ششماہی 1،2،3/ربیع الثانی 1442ھ مطابق 17،18،19/نومبر 2020ء بروز منگل، چہارشنبہ، جمعرات تین روز آن لائن منعقد ہوا۔

● امتحان سالانہ 6/شعبان روز ہفتہ تا 13/شعبان روز ہفتہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰/مارچ تا ۲۸ مارچ ۲۰۲۱ء سال اول کا آن لائن اور سال دوم کا مشافہۃً منعقد ہوا۔

اساتذہ کے محاضرات

● معہد میں تعلیمی سال کے ابتدائی ہفتہ میں طلبہ کو مختلف اسلامی علوم وفنون کی مبادیات پر لکچر دیئے جاتے ہیں؛ تاکہ طلبہ ان علوم وفنون کے مبادیات،مقاصد اور غرض وغایت سے مانوس ہوجائیں،اس کے علاوہ بھی درمیان سال میں مختلف اہم موضوعات پر اساتذہ طلبہ کو لیکچر دیتے ہیں،یہ محاضرے طویل ریاضت کا نچوڑ اور برسوں کی دیدہ ریزہ کا نتیجہ ہوتے ہیں،جس سے طلبہ کا علمی افق وسیع ہوتا ہے اوران کی علمی وفکری تربیت بھی ہوتی ہے،ذیل میں تمام محاضرات ترتیب کے ساتھ درج ہیں۔

☆ نگراں شعبۂ تحقیق: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

● تفسیر اورعلوم القرآن: مفتی اشرف علی قاسمی (استاذ ومعتمد مالیات)۔
● اُصول فقہ-تدوین وتعارف: مفتی محمد اعظم ندوی: (استاذ معتمد شعبۂ ثقافت)۔
● فقہ اسلامی-تاریخ وتدوین: مفتی شاہد علی قاسمی (استاذ ومعتمد تعلیمات)۔
● فقہ مقارن-تعارف، شخصیات اور کتابیں: مفتی محمد اعظم ندوی۔
● ۲۸ر شوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱ر جون ۲۰۲۰ء کو ''تخریج احادیث ودراسۃ اسانید'': مفتی محمد عمر عابدین قاسمی مدنی، (نائب ناظم واستاذ)۔
● ۱۲ر ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۴ر جولائی ۲۰۲۰ء: '' آن لائن تعلیم-چیلنجز، امکانات، تجربات'': مفتیمحمد عمر عابدین قاسمی مدنی۔
● ۲۸ر ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰ جولائی ۲۰۲۰ء: ''نئی قومی تعلیمی پالیسی-مدارس کے لیے کرنے کے کام'': مفتی محمد عمر عابدین قاسمی مدنی۔
● ۲ر صفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ر ستمبر ۲۰۲۰ء: ''انگریزی زبان میں مہارت آپ کی قیادت کا زینہ بن سکتی ہے'': مفتی محمد عمر عابدین قاسمی مدنی۔
● 21ر ربیع الثانی 1442ھ مطابق 7ر دسمبر 2020ء: ''سکھ مت-ایک تعارف'': مفتی شاہد علی قاسمی۔
● 23ر ربیع الثانی 1442ھ مطابق 9ر دسمبر 2020ء: ''تین سطحی ہندوستانی نظام حکومت کی ساخت اور اختیارات'': مولانا ناظر انور قاسمی (استاذ وانچارج شعبۂ انگریزی)۔
● 5ر جمادی الاخری 1442ھ مطابق 19ر جنوری 2021ء: ''دار العلوم دیوبند-مقاصد، تاریخ، خصوصیات، خدمات'': مفتی احمد نور عینی (استاذ حدیث وفقہ)۔
● 17ر جمادی الاخری 1442ھ مطابق 31ر جنوری 2021ء: ''دار العلوم ندوۃ العلماء-مقاصد، تاریخ، خصوصیات، خدمات'': مفتی احمد نور عینی۔
● 16ر جمادی الاولی 1442ھ مطابق 30ر دسمبر 2020ء: ''مقاصد شریعت-تعارف، شخصیات، کتابیں'': مفتی حبیب الرحمٰن قاسمی (استاذ فقہ)۔
● 19ر جمادی الاخری 1442ھ مطابق 2ر فروری 2021ء: ''اُردو تفاسیر عہد بہ عہد-تعارف وخصوصیات'': مولانا نوشاد اختر ندوی (استاذ تفسیر وانچارج شعبۂ تاھیل القیادہ)۔
● یکم رجب المرجب 1442ھ مطابق 14ر فروری 2021ء: ''قادیانی فرقہ کافر کیوں؟'' (وجوہِ تکفیر کے حوالہ سے): مولانا انصار اللہ قاسمی (استاذ وانچارج شعبۂ دعوہ ومطالعۂ مذاہب)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کے محاضرات

● حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کی علمی ،فکری اور فقہی شخصیت محتاج تعارف نہیں ،طلبہ کے لئے معہد آنے کی ایک بڑی کشش آپ کی شخصیت بھی ہے، آپ مختلف فقہی وفکری موضوعات پر طلبہ کو محاضرہ دیتے ہیں،حضرت مولانا کی علمی ،فقہی اور فکری شخصیت محتاج تعارف نہیں ،اسی نسبت سے آپ کے محاضرے بھی نہایت وقیع اور کارآمد ہوتے ہیں، اس سال آپ نے جن اہم موضوعات پر محاضرے دیئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں :

● ۷/ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۹/جون ۲۰۲۰ء کو معہد کے نئے داخل شدہ طلبہ سے خطاب کیا، ان کو علم کی اہمیت ،علم کے تقاضے اور علماء کی ذمہ داریوں کے موضوع پر تفصیل سے خطاب کیا، اسی طرح ان کو یہ بھی بتایا کہ علماء کو معاشرہ میں کیا کردار ادا کرنا چاہئے اور کیسے عوام کی اصلاح کرنی چاہئے۔

● ۲۴/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۵/اگست ۲۰۲۰ء کو بعنوان: ''فقہ حنفی کی خصوصیات واولیات'' (تین قسطوں میں) طلبہ معہد کو آن لائن اہم علمی محاضرہ دیا، جس میں دیگر مسالک کے مقابل فقہ حنفی کی بعض پہلوؤں سے پیش قدمی اور نمایاں خصوصیات واضح کی گئیں۔

● ۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۶/جنوری ۲۰۲۰ء حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے اسلامک فقہ اکیڈمی افغانستان سے خطاب کیا۔

● ۱۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۲۰ء کو المعہد العالی الاسلامی میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے طلبہ کو ''مسلم اور غیر مسلم تعلقات - مقاصد شریعت کی روشنی میں'' کے موضوع پر محاضرہ دیا، یہ بہت ہی اہم محاضرہ تھا، بالخصوص ہندوستان کے تناظر میں یہ اور بھی اہم ہے۔

● ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۰/جنوری ۲۰۲۰ء کو گنٹور (آندھرا پردیش) میں دار القضا کا قیام عمل میں آیا، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے دار القضا کا افتتاح کیا اور اس موقع سے منعقدہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نظام قضا کی اہمیت بیان کی اور مسلمانوں کو شرعی فیصلے تسلیم کرنے کی تاکید کی۔

● ۳/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/اکتوبر ۲۰۲۰ء کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے طلبہ کو ''شیئرز کی خرید وفروخت، اسلامی نقطۂ نظر'' کے اہم موضوع پر محاضرہ دیا، اور اسلامی تعلیمات اور فقہاء کے نقاط نظر کو واضح کیا۔

● ۶؍ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۲۰۲۰ء کوحضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے طلبہ المعہد العالی الاسلامی کو ایک اہم موضوع پر محاضرہ دیا، جس کا عنوان تھا ’’کموڈیٹی ایکس چینج میں سرمایہ کاری‘‘، دورِحاضر میں سرمایہ کاری کے جو نئے گوشے وا ہورہے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، اس موضوع پر محاضرہ سے نہ صرف زیر بحث موضوع پر فقہی معلومات طلبہ تک منتقل ہوئی؛ بلکہ اس کے علاوہ مالیاتی فقہ کے نئے گوشے بھی سامنے آئے۔

● حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کے فقہی مطالعہ کا ایک خصوصی پہلو جدید مسائل ہیں، جن کا ایک شعبہ یا حصہ میڈیکل سے متعلق ہے، آپ نے طلبۂ معہد کو ’’اسلام اور جدید میڈیکل سائنس‘‘ جیسے اہم موضوع پر تین قسطوں میں محاضرہ دیا۔

● دورِحاضر میں برداشت کی صفت عنقا ہوتی جارہی ہے، دوسرے کی رائے ہم یکسر غلط باور کرنے لگے ہیں، اس تناظر میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے طلبہ معہد سے دو قسطوں میں ’’ادب اختلاف‘‘ کے موضوع پر محاضرہ دیا، اور مقابل فکر ونظر کی رعایت کرنے کی تاکید کی۔

● دنیا بھر میں مسلمان مختلف ملکوں میں رہتے ہیں، کہیں کسی دوسرے مذہب والے وہاں اقلیت میں ہوتے ہیں اور کہیں خود مسلمان اقلیت میں ہیں، ایسے میں بطور اقلیت ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں اور ہمارے ملک میں جو اقلیت ہے ان کے کیا حقوق ہیں، ان کو جاننا بہت ضروری اور وقت کا تقاضا ہے، اسی تناظر میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے طلبۂ معہد کو دو قسطوں میں ’’فقہ الاقلیات‘‘ کے اہم موضوع پر محاضرہ دیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ تفہیم شریعت کے تحت آن لائن علمی خطابات

● مسلم پرسنل لا بورڈ کے تفہیم شریعت پروگرام کے تحت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کے آن لائن خطابات ہوئے، جس میں مسلم پرسنل لا کے مختلف موضوعات پر آپ نے شرعی احکام کی وضاحت کرتے ہوئے غلط فہمیوں کو بھی دُور کیا، اس ضمن میں آپ کے ہونے والے خطاب تاریخ وار درج ذیل ہیں :

☆ ۱۷؍محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۶؍ستمبر ۲۰۲۰ ’’یتیم پوتے کا حق میراث، شریعت کی روشنی میں‘‘۔

☆ ۱۴؍محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۳؍ستمبر ۲۰۲۰ء ’’عورتوں کا حق میراث‘‘۔

☆ ۱۱؍محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍اگست ۲۰۲۰ء ’’نفقہ مطلقہ کا مسئلہ، شریعت کی روشنی میں‘‘۔

☆ ۶؍محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۶؍اگست ۲۰۲۰ء ’’طلاق سے پہلے تحکیم کیوں ضروری نہیں؟‘‘۔

☆ ۳/محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۳/اگست ۲۰۲۰ ’’طلاق اور اسلام‘‘۔

☆ ۲/صفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰/ستمبر ۲۰۲۰ء ’’مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسلام‘‘۔

☆ ۶/صفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۲۰۲۰ء ’’مسلم پرسنل لا بورڈ اور ہندوستان‘‘۔

☆ ۲۱/محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۰/ستمبر ۲۰۲۰ء ’’تعدد ازدواج (ایک سے زیادہ نکاح)‘‘۔

☆ ۲۴/محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۲۰۲۰ء ’’لے پالک (منھ بولی اولاد) کا مسئلہ، شریعت اور قانونِ فطرت کی روشنی میں‘‘۔

☆ ۲۸/محرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۲۰۲۰ء ’’کم عمری کا نکاح اور شرعی نقطہ نظر‘‘۔

سیلاب متاثرین مین فوڈ پیک کی تقسیم

● ۱۷/ربیع الاول ۱۴۴۲ھ مطابق /نومبر ۲۰۲۰ء کو حیدرآباد مین آئے تباہ کن سیلاب کے بعد معہد کے خدمت خلق شعبہ کی جانب سے متاثرین میں راحت پیکیج کی تقسیم کی گئی جس میں تقریباً ایک ہزار متاثرین کو اشیاء ضروریہ کے ساتھ کھانے پینے کے فوڈ پیک بھی دیئے گئے، یہ کام مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی کے زیر انتظام اور ان کی خصوصی کوششوں سے ہوا۔

بحث ونظر کی آن لائن طباعت

● کورونا کی وجہ سے طباعت واشاعت کی بندش کے پیش نظر ’’بحث ونظر‘‘ کے شماروں کی مقررہ وقت پر طباعت بھی متاثر ہوئی، اور جب لاک ڈاؤن کا دورانیہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا تو یہ رائے بنی کہ بحث ونظر کے شمارے آن لائن ہی شائع کردیئے جائیں؛ تاکہ قارئین تک پہنچنے میں زیادہ تاخیر نہ ہو، جس کی تفصیل اس طرح ہے :

☆ یکم جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/دسمبر ۲۰۲۰ء کو بحث ونظر کا جنوری تا جون ۲۰۲۰ء کا شمارہ شائع ہوا، جس میں بڑے اہم علمی، فکری اور سوانحی مضامین ہیں، انہیں میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کا سفر نامہ ازبکستان بھی ہے۔

☆ ۱۵/جمادی الاولی ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۲۰۲۰ء کو جولائی تا دسمبر ۲۰۲۰ء کا شمارہ آن لائن شائع ہوا، اس شمارے میں بھی حسب معمول اہم علمی، فکری اور سوانحی مضامین شامل ہیں۔

معہد کی جانب سے تحقیق کردہ کتابوں کی طباعت واشاعت

● ''پیغمبر عالم ﷺ'': ۲۰۱۶ء میں المعہد العالی الاسلامی کی جانب سے سیرت سرور کونین ﷺ پر عالمی سیمینار کا انعقاد ہوا تھا، اس موقع پر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے سیرت نبوی ﷺ اور مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر مقالات ومضامین لکھے تھے، جو اس کتاب کا بنیادی اور بڑا حصہ ہے، اس کے علاوہ کچھ اور مضامین بھی شامل اشاعت ہیں، اس کے علاوہ دیگر ادیان میں حضور پاک کی بشارت اور اوصاف کے ذکر پر مشتمل اہل علم کی تحریریں بھی اس کتاب کی زینت ہیں، اور اس طرح سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کا عرفان عام کرتا یہ بڑا بیش بہا مجموعہ بن گیا ہے، اس کتاب پر داعئ اسلام حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب نے بصیرت افروز مقدمہ لکھا ہے، یہ کتاب ۴۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

● ''آسان علم کلام'': حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی جب ازبکستان تشریف لے گئے تھے تو اسی دوران ہندوستان میں لاک ڈاؤن کا نفاذ ہو گیا، تاشقند سے دہلی آنے کے بعد تقریباً ایک مہینہ قرنطینہ میں رہنا پڑا، اسی فارغ وقت کی یہ بیش قیمت علمی سوغات ہے، عصری اُسلوب اور آسان ودل نشیں پیرائے میں عقائد اسلامیہ کی وضاحت کی گئی ہے، اسی کے ساتھ سوال وجواب کا بھی اس میں اہتمام کیا گیا ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ عقائد کی متوسط کتابیں جیسے شرح عقائد وغیرہ سے پہلے اس کو داخل نصاب کیا جائے؛ تاکہ طلبہ عقائد کی مبادیات سے واقف ہو جائیں، مفتی احمد خان پوری کا بصیرت افروز مقدمہ بھی ہے، یہ کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

● ''محاضرات اُصولِ فقہ'': حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی نے وقتاً فوقتاً بحث ونظر یا دیگر رسائل وجرائد میں اُصولِ فقہ سے متعلق جو مضامین لکھے یا فقہ اکیڈمی کے تحت منعقدہ سیمیناروں میں آپ نے اُصولِ فقہ سے متعلق جو اہم خطبات دیئے، یا المعہد العالی الاسلامی کے طلبہ کے درمیان جو محاضرات دیئے، اس کتاب میں اس طرح کی تمام تحریریں اور خطبات جمع کر دیئے گئے ہیں، اس کتاب میں بھی حضرت مولانا کی تمام تحریری خصوصیات موجود ہیں، اُسلوب میں روانی ہے، انداز بیان شگفتہ اور سلیس ہے، آپ کے رواں دواں اشہب قلم نے اُصولِ فقہ جیسے سنگلاخ اور سخت موضوع کو بھی قارئین کے لئے نرم ونازک اور آسان بنا کر پیش کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف علماء؛ بلکہ متوسط دینی معلومات رکھنے والے بھی اس کتاب سے مستفید ہو سکتے ہیں، یہ کتاب ۵۰۶ صفحات پر کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے جو حضرت مولانا عتیق احمد بستوی کے مقدمہ سے مزین ہے۔

● ''جدید فقہی مسائل'' : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی کی مشہور اور مقبول تصنیف ''جدید فقہی مسائل'' ہے، جس میں دور حاضر میں پیدا ہونے والے جدید مسائل کا قرآن وحدیث اور فقہی جزئیات ونظائر کی روشنی میں حل پیش کیا گیا ہے، اس کتاب نے دنیا بھر کے اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا ہے، یہ کتاب تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی، اب بہت سے مسائل کے اضافہ اور حوالوں کی نئی تخریج کے ساتھ اس سال چھ جلدوں میں منظر عام پر آئی ہے جو تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

● ''أدلة الحنفية من الأحاديث النبوية'' : بدائع الصنائع فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب ہے، اس میں فقہ حنفی کے حدیثی مستدلات بکثرت ہیں، اگر ان کو یکجا کر دیا جائے تو فقہ حنفی کے دلائل کا نہایت بیش قیمت ذخیرہ جمع ہوجاتا ہے، اسی مقصد سے ایک طویل عرصہ سے بدائع الصنائع کی احادیث پر تخریج کا کام چل رہا تھا، الحمدللہ! یہ کام گزشتہ سال ہی مکمل ہوا اور ''أدلة الحنفية من الأحاديث النبوية'' کے نام سے یہ کتاب پانچ جلدوں میں اور تقریباً تین ہزار صفحات میں شائع ہوئی ہے۔

● ''الفتاویٰ السراجیہ'': فقہ حنفی کی ایک اور نہایت اہم کتاب ''الفتاویٰ السراجیہ'' ہے، یہ کتاب بہت پہلے مطبع نولکشور سے چھپی تھی لیکن اب نایاب تھی، معہد کے طلبہ نے کئی نسخوں سے اس کے متن کی مراجعت کی، پھر اس کے مسائل کی تخریج اور تحقیق کا کام انجام دیا، خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب بھی اس سال تین جلدوں اور تقریباً ۱۸۰۰ صفحات میں زیور طباعت سے آراستہ ہوگئی۔

● ''کورونائی ادب'': جب دنیا میں کوئی بڑا حادثہ ہوتا ہے تو وہ صرف لوگوں کو متاثر نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی تاثیر علوم وفنون تک بھی در آتی ہے، لاک ڈاؤن بھی ایسا ہی حادثہ تھا جس کی گونج دور تک سنی گئی اور دیر تک سنی جائے گی، معہد کے استاذ اور معتمد شعبۂ ثقافت جو ادب کا اچھا اور معیاری ذوق رکھتے ہیں، انہوں نے ''کورونائی ادب'' کے نام سے یہ کتاب مرتب کی ہے، جس میں لاک ڈاؤن کے دوران لکھی جانے والی ادبی تحریروں، خواہ وہ نثر پارے ہوں یا نظم وغزل ہو، ان میں سے انتخاب کر کے مرتب کر دیا ہے، یہ اردو ادب میں نہ صرف وقیع اضافہ ہے؛ بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی کورونا کے تعلق سے معلومات کا ذخیرہ ہے۔

● ● ●